(شعری مجموعہ)

سوز نجیب آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اضراب

شعری مجموعہ

سوز نجیب آبادی

(زیر اہتمام)

''تمہید'' پبلیکیشنز 9-14-124 احمد پورہ کالونی نظام آباد۔503001(اے۔پی)

نام کتاب : اَضراب

شاعر : سوؔز نجیب آبادی

صنف : شاعری

موبائل : 09390297893

سن اشاعت : فبروری 2014ء

تعداد : پانچ سو (500)

سرِ ورق : محمد ظہیر الدین سلفی

کمپوزنگ : تمہید کمپوزنگ نظام آباد

قیمت : =/150 روپے

ناشر : ماہنامہ تمہید نظام آباد۔(اے پی)

یہ کتاب اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع کی گئی ہے

﴿ ملنے کا پتہ ﴾
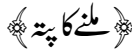
سوؔز نجیب آبادی۔ ماہنامہ تمہید 124-14-9۔ احمد پورہ کالونی۔ نظام آباد۔۵۰۳۰۰۱۔ آندھرا پردیش

SOZ NAJEEBABADI

The **"TAMHEED"** 9-14-124 Ahmedpura Colony

NIZAMABAD-503001-A.P

گُل رگِ احساس پر جو آبلے تھے اُن کے عکس
اب مرے فکرِ سخن کے آئینہ خانے میں ہیں

جنابؔ جلیسؔ نجیب آبادی

کے نام

تازہ افکار کا شاعر

پروفیسر مجید بیدارؔ سابق صدر شعبۂ اُردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

غزل کے روایتی انداز میں عصری حسیات کو شامل کر کے جدید لب و لہجے کے ساتھ شاعری کرنے والے چند منتخب شاعروں میں سوزؔ نجیب آبادی کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی سے ہی شاعری کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔

والدین نے تو انہیں توثیق حسن خاں کے خاندانی نام سے شناخت کا وسیلہ دیا۔ لیکن شعر گوئی کو اپنی شناخت کا ذریعہ بنا کر انہوں نے سوزؔ تخلص اختیار کیا۔ مقام پیدائش یعنی نجیب آباد ضلع بجنور کی نشاندہی کرنے کے لئے اپنے نام کے ساتھ سوزؔ نجیب آبادی کا لاحقہ استعمال کیا۔ ۱۲/ مارچ ۱۹۵۳ء کو اس دنیا میں قدم رکھنے والے توثیق حسن خاں نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ وہ آگرہ یونیورسٹی سے ملحق ساہو جین کالج نجیب آباد کے طالب علم رہے اور ساری زندگی غیر سرکاری ملازمت میں صرف کر دی۔ زندگی کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ لیکن شعر گوئی میں دلچسپی دکھاتے ہوئے ۳۵ برس کا عرصہ گذر گیا۔ اُن کی شاعری طالب علمی کے زمانے سے ہی ادبی اور نیم ادبی رسالوں میں شائع ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ آکاش وانی نجیب آباد، آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس اور پرسار بھارتی دلّی سے ان کا کلام نشر ہوتا رہا۔ زندگی کے زائد از ۴۰ سال اپنے وطن میں گذارنے کے بعد ۱۹۹۱ء میں اتر پردیش سے نقل مکانی کر کے آندھرا پردیش کے ضلع نظام آباد میں سکونت اختیار کی اور اب نظام آباد کو ہی اپنا حقیقی وطن تسلیم کرنے لگے ہیں۔ نظام آباد سے ان کی وابستگی کی وجہہ یہی ہے کہ ان کی اہلیہ کا تعلق نظام آباد سے ہے۔ غرض شمالی ہند میں پرورش پانے والے سوز نجیب آبادی اپنی عمر کی آخری منزلوں میں نظام آباد سے وابستہ ہوئے

ہیں۔ان کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اساتذہ سے خوب اکتساب کیا ہے اور شعر گوئی میں مشق کے علاوہ علم عروض میں مہارت کی وجہ سے ان کا کوئی شعر فن کے سانچے سے مختلف نہیں ہوتا۔ انہوں نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ حمد ونعت اور مناجات وغیرہ سب کچھ لکھا لیکن غزل کی شاعری میں ان کے فن کے جوہر پوری طرح نمایاں ہوتے ہیں۔شاعری کی روایتی لفظیات سے استفادے کے علاوہ عصری لفظوں کی دھمک بھی انکی شاعری میں محسوس کی جاسکتی ہے۔سوز نجیب آبادی نے غزلیہ لب ولہجہ کی عصری حسّیت کو پوری شان وشوکت کے ساتھ اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں حالات زمانہ کا عمدہ اظہار بن جاتی ہیں۔اس کی سب سے بڑی وجہ انکی حقیقت پرستی اور مشاہدہ کی تیزی ہے۔ان کے کلام میں اس حقیقت کا بھی اجتناب دیکھا گیا ہے کہ انہوں نے حسن وعشق کی روایتی بازی گری سے خود کو دور رکھا ہے۔جس کی وجہ سے حالات حاضرہ ہی ان کی شاعری کا استعارہ بن جاتے ہیں۔شاعر کی نازک مزاجی اور نازک خیالی پر اسکے مشاہدہ کا شدید قبضہ ہے۔اسی لئے ان کی شاعری جمالیات کی حدود سے نکل کر حقائق کی ترجمانی کا حق ادا کرتی ہے۔بلا شبہ سوز نجیب آبادی نئے نئے قوافی اور ردیف کے ذریعہ خیال کی نیرنگی کو شاعری میں برتنے کا خوبصورت سلیقہ رکھتے ہیں۔اسی لئے ان کی شعر گوئی دل کے تاروں کو چھونے اور انسانی احساسات میں تحریک پیدا کرنے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔اگر چہ شاعر اپنے کلام میں نئی فکر اور نئی لفظیات کے ذریعہ فکر وسوچ کی انجمن سجانے میں مصروف رہتا ہے لیکن کامیابی صرف اس شاعر کو حاصل ہوسکتی ہے جو فطری طور پر ذہن کو شعر گوئی سے وابستہ رکھتا ہو۔

سوز نجیب آبادی کی شاعری یہ پتہ دیتی ہے کہ ان کا کلام ابتداء سے آخر تک آمد کی

کیفیت کو نمایاں کرتا ہے‘ یعنی وہ فکر میں ڈوب کر شعر لکھتے ہیں اور اس میں حقیقت اور حسن کاری کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے ان کا ہر شعر دل میں اُتر جانے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتا ہے۔ نجیب آباد کی سرزمین عرصہ دراز سے ہی شعر وادب کا گہوارہ رہی ہے ۔ اس سرزمین سے نامور شاعر وادیب ہی نہیں بلکہ دانشور اور علمائے کرام پیدا ہوتے رہے ہیں ۔ یہ بھی بڑی خوش آئند بات ہے کہ اکیسویں صدی میں جبکہ ساری دنیا رفتہ رفتہ گلوبل ویلج میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ ایسے وقت میں حقائق سے آنکھیں چار کرکے ہجرت نبوی کی سنّت کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے سوز نجیب آبادی نے شمالی ہند سے جنوبی ہند کی طرف مراجعت کی اور نظام آباد میں منتقل ہوکر یہ ثابت کردیا کہ وہ اردو کے ایک بہت بڑے راحت کدہ میں داخل ہوگئے ہیں‘ کیونکہ شمالی ہند کے اردو کے مراکز جیسے دہلی‘ لکھنؤ‘ رامپور اور بھوپال میں اردو زبان وادب کی پذیرائی کے راستے مسدود ہوتے جارہے ہیں۔ جبکہ جنوبی ہند کی ریاست آندھرا پردیش‘ ریاست مہاراشٹرا اور ریاست کرناٹک میں اردو کا سکہ رائج الوقت کا موقف حاصل کرچکا ہے۔ عرصہ دراز سے شہر حیدرآباد کو اردو کے شہر کا موقف بھی حاصل رہا ہے۔ اس لحاظ سے سوز نجیب آبادی کی ہجرت بلاشبہ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں اپنے وطن سے زیادہ ناموری اور شہرت نظام آباد کی سرزمین سے حاصل ہوئی ہے۔ غرض ایک شائستہ مزاج اور عمدہ فکر کے نمائندہ شاعر کا نظام آباد کی سرزمین پر اس لئے بھی استقبال کیا جانا چاہیے کہ اس نمائندہ شاعر نے اردو سے محبت کے نتیجہ میں ترک وطن کے فلسفہ کو اپنایا۔ اس لحاظ سے وہ قابل مبارک باد ہیں کہ وطن سے نکلنے کے بعد ان کی عزت اور شہرت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

غزل کی زبان کو دہلی اور لکھنو کی روایتوں سے وابستہ کرکے عصری احساسات کی خصوصیات کو غزل سے مربوط کرنے کا وصف خدائے تعالیٰ نے سوز نجیب آبادی کو بطور

خاص بخشا ہے۔ان کی غزل کی امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ وہ جب بھی غزل لکھتے ہیں تو نہ جمالیاتی احساس کو نظم کرتے ہیں اور نہ ہی عاشقانہ اور رندانہ خیالات کو پیش کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل حسن و عشق کے تصوّرات سے دور اور حقائق سے قریب کے خیالات کو پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ غزل کا حسن، پیکر تراشی اور حسن و عشق کے مجسمہ کو متحرک کرنے میں واضح ہوتا ہے لیکن عصری غزل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غزل کا وصف حسن و عشق سے کہیں زیادہ مسائل اور ان کی حقیقت پسند نمائندگی میں پوشیدہ ہے۔سوز نجیب آبادی کا یہ کمال ہے کہ وہ جب بھی غزل لکھتے ہیں تو قافیے کو ردیف سے اس قدر مربوط کر دیتے ہیں کہ ہر غزل کا قافیہ نہ صرف ردیف میں چستی پیدا کرنے کا حامل ہو جاتا ہے اور خیال کی گہرائی و گیرائی بھی حد درجہ سبک اور رواں ہو جاتی ہے۔سوز نجیب آبادی کی ہر غزل اسی کیفیت کا مکمل نمونہ ہے۔ ذرا اس غزل کے اشعار پر توجہ دی جائے کہ شاعر نے کس فراخ دلی کے ساتھ ردیف کو قافیے سے ہم آہنگ کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے غزل کا ہر شعر کیفیاتی فضاء کو نمایاں کرنے اور شاعر کی فطری حسن کاری کو ترسیل کا آئینہ دکھانے کا وصف بن جاتا ہے۔غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رہبرِ جادہءِ منزل پہ ہنسی آتی ہے
لڑکھڑاتے ہوئے اس دل پہ ہنسی آتی ہے

حسرتِ قربتِ منزل پہ ہنسی آتی ہے
اب تو دیوانگیءِ دل پہ ہنسی آتی ہے

یاد کر کے تری صورت تری باتیں اکثر
یوں تڑپتا ہے کہ اس دل پہ ہنسی آتی ہے

قلزمِ غم میں تو ہوتے ہیں کنارے بھی بھنور
جب یہ سنتا ہوں تو ساحل پہ ہنسی آتی ہے
عمر گُم کرکے فراہم کیا سامانِ حیات
اب مجھے زیست کے حاصل پہ ہنسی آتی ہے

سوز نجیب آبادی کی اس غزل پر توجہ دی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے کسی بھی عاشقانہ خیال کی پیش کشی کے بجائے حد درجہ حسّاس موضوعات کو غزل کے اشعار میں سمولیا ہے۔اور غزل کی ردیف خود اپنے قافیے سے وابستہ ہو کر معنی کی گہرائیوں کو نمایاں کرنے میں اپنا حق ادا کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ روایتی خیالات بھی غزل کے اشعار میں اثر انداز ہوتے نظر آتے ہیں لیکن ردیف کو نمایاں کرنے کے لئے شاعر نے جس قسم کی سماں بندی کا تاثر پیدا کیا ہے وہ خود اس کی انفرادیت کی دلیل ہے۔سوز نجیب آبادی مکمل طور پر فطرت شناس شاعر ہیں۔اس لئے ان کی غزلوں میں فطری محاسبے کی خصوصیات جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ وہ مکمل احساس اور ارادہ کے ساتھ شعر کہتے ہیں اور شعر گوئی کے ذریعہ معنویت کی گہرائی میں موتی ٹٹولنے کے قائل ہیں، شاید اسی خوبی کی وجہ سے ان کی غزلیں مسائل اور حالات کی عمدہ تصویر کشی میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔سوز نجیب آبادی کا کمال یہی ہے کہ وہ سبک اور رواں انداز سے شعر کہنے پر دسترس رکھتے ہیں اسی لئے ان کی بیشتر غزلیں فارسی اور عربی تراکیب سے بے نیاز اور سادہ اظہار کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔وہ تشبیہات اور استعارات کے استعمال سے بھی گریز برتتے ہیں بلکہ ان کے شعر میں تشبیہ بذات خود معنویت کا رنگین اظہار بن جاتی ہے۔اس حقیقت کو حاصل کرنے کے لئے

سوز نجیب آبادی کی غزل کے ان اشعار پر توجہ دیجیے۔

مقیم جیسے کہ خوشبو کسی گلاب میں ہے
بسا ہوا وہ ہمیشہ خیال و خواب میں ہے
نظر ملا کے غمِ زندگی کو بھول سکوں
سرور اتنا تو اس آنکھ کی شراب میں ہے
جسے زبانِ بشر کہہ سکی ہے لفظوں میں
ابھی لکھی ہوئی وہ بات ہی کتاب میں ہے
نہیں جواب مکمل کسی کے پاس اس کا
یہاں پہ آدمی کیوں مبتلا عذاب میں ہے

مختصر بحروں کے علاوہ طویل بحروں کے ذریعہ بھی سوز نجیب آبادی نے اظہار کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ انھیں جس قدر سبک رفتاری کے ساتھ خیال پیش کرنے میں چھوٹی بحروں پر عبور حاصل ہے اسی طرح طویل بحروں میں بھی وہ غزل کی رعنائی اور خیال کی پاکیزگی کو پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی اوچھا تصوّر ان کی غزل میں شامل نہیں ہو سکتا خیال کی پاکیزگی کو ترجمان بنا کر جب وہ شعر لکھتے ہیں تو ہر شعر تاثیر کی کیفیت سے مالا مال اور اظہار کی روانی کا نمائندہ ہو جاتا ہے۔ مختصر بحر میں ان کی غزلوں کے تیور ملاحظہ کیے جا چکے۔ طویل بحر میں لکھی ہوئی ان کی ایک غزل کے اشعار میں خیال کی گہرائی اور گیرائی ملاحظہ فرمائیے۔

کبھی جدا دو بدن ہوئے تو دِلوں پہ یہ دو عذاب اترے

بچھڑنے والے کی یاد آئی‘ ملن کے آنکھوں میں خواب اترے

بڑھی ہے فکرِ معاش جب سے‘ مرے خیالوں کی وادیوں میں

نہ اس کے چہرے کا چاند ابھرا نہ عارضوں کے گلاب اترے

چلی جو آندھی تو ہر کلی نے‘ جھکا کے سر کو یہ التجا کی

چمن کے مالک ہمارے رخ سے ‘ابھی نہ رنگِ شباب اترے

جنھوں نے مانگی انہیں تو دی ہی گئی جہاں میں خوشی کی دولت

بغیر مانگے بھی کاہلوں پر فلک سے غم بے حساب اترے

غزل میں سوز نجیب آبادی کے فنّی جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔اسی طرح نظم میں بھی وہ خیال کی روانی اور برجستگی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں‘ وہ غزل میں جس طرح پاکیزہ خیال کا لحاظ رکھتے ہیں‘اسی طرح نظموں میں بھی ان کی فطری پاکیزگی ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔وہ غزل کی ہئیت کے علاوہ مربع اور مسدس کے ساتھ ساتھ مخمس انداز میں بھی نظمیں لکھنے کی طرف مائل ہیں۔ان کی بعض نظموں میں غزل کا انداز بھی غالب ہے۔ان کی ایک نظم ’’بے گھری‘‘ کے اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاعر کی حسّاس طبیعت نے اسے نظم کہنے پر مجبور کردیا۔جس طرح غزلوں میں سوز نجیب آبادی نے داخلی اور خارجی کرب کو یکساں کردیا ہے۔اسی طرح نظم لکھنے کے دوران بھی ان کی اسی کیفیت کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔سوز نجیب آبادی کا کمال یہی ہے۔کہ وہ جس طرح غزل میں ڈوب کر شعر لکھ کر کیفیاتی فضاء قائم کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں‘اسی طرح ان کی نظمیں بھی بہت کم اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں اسکے ثبوت کے لئے’’نظم بے گھری‘‘ِ کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ جس میں وحدت اور تاثر کے علاوہ شاعر کے انفرادی احساس کی کیفیت بھی محسوس کی جاسکتی ہے ۔

شہر میں بندوں کے ہیں گھر انگنت ہر موڑ پر
ایک ہے اللہ لیکن کتنے ہیں اس کے بھی گھر
ہم غریبوں کا مگر دنیا میں کوئی گھر نہ در
ان خیالوں میں وہ لڑکی کھوئی کھوئی ہوگئی
سر پہ چھت کی آرزو سینے میں کانٹے بو گئی

ہوگئے جب رفتہ رفتہ سارے غبّارے تمام
آ گئے جب جیب میں باقی بچی گڑیوں کے دام
پی چکی جب شام بھی تاریکیوں کے چند جام
رات جب گہرائے سنّاٹے کے اندر کھوگئی
عائشہ فٹ پاتھ پر چادر بچھا کر سوگئی

نظم کے ذریعہ کیفیت کو نمایاں کرنا اور اسے لفظوں کی ترتیب میں پیش کرنا سوز نجیب آبادی کو خوب آتا ہے اسی لئے وہ غزل گوئی میں جس طرح اپنا مقام بنا لیتے ہیں، اسی طرح نظم گوئی میں بھی انفرادیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کی نظمیں بھی تاثر سے بھرپور ہیں اور وہ شعر گوئی کے دوران اضافی لفظیات سے بھی پرہیز برتتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ان کی شاعری خوبصورت خیالات کا حسین گلدستہ بن جاتی ہے جس کا موزوں اظہار اس نظم میں ملاحظہ فرمایئے۔

پھر زباں پر دردِ دل کی ہے کہانی کس لئے
تو نے اپنا لی روش پھر یہ پرانی کس لئے

جو بھی ہونا ہے وہ سب ہو کر رہے گا یاد رکھ
دل کی دنیا کو سکون و صبر سے آباد رکھ
مسکرا کر زندگی کا گیت گانے کے لئے
کل کے دن کو آج سے بہتر بنانے کے لئے
ٹوٹ کر بکھرے ہوئے، خوابوں سے منہ کو پھیر کر
دل شکن غم کو کھنکتے قہقہوں سے زیر کر
پھر حیات افزا نیا سا کوئی گانا چھیڑ دے
حوصلہ مندی سے پُر کوئی ترانہ چھیڑ دے
زندگی کے ہاتھ میں زندہ دلی کا ساز دے
غم میں کھوئی زندگی کو دلنشیں آواز دے

نظم کی طرح غزل میں بے ساختگی ان کے خیال کی بیروں بینی کیفیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ قوافی ردیف کے ساتھ غزل لکھنے کے علاوہ غیر مردّف غزل لکھنے پر بھی انہیں کمال حاصل ہے۔ سوزؔ نجیب آبادی کی ایک غیر مردّف غزل ملاحظہ ہو ؎

اگر حالات کو دیکھو تو صورت یہ ہے دنیا کی
یہ شہزوروں کی جنت بھی ہے، کمزوروں کی دوزخ بھی
اندھیرے زندگی کی راہ پر حاوی ہوئے جب بھی
مری آنکھوں میں منزل کی طلب نے روشنی بھر دی

حقیقت یہ ہے کہ تبدیلیوں کے نام پر اب تک
صدی بدلی ہے ، لیکن قسمتِ انساں نہیں بدلی
ہمیشہ زہر کو امرت سمجھ کر بزمِ دنیا میں
پیالی زندگی کے زہر کی ہم نے تو ہنس کر پی
ملے گی عالمِ عقبیٰ میں جنت کیوں ہمیں اے دل
نہ مل پائی ہمیں جب آ کے اس دنیا میں دنیا ہی

غزل اور نظم کے ایوان سجانے کے دوران ربط و تسلسل روا رکھنے کا ہنر سوز نجیب آبادی کو خوب آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ وہ غزل کے پیرائے میں دل کی کیفیت کو نمایاں کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ جس کی مثال اس غزل کے چند اشعار میں ملاحظہ فرمایئے۔

رنگ بدلے گی کائنات ابھی
خون فشاں ہے رگِ حیات ابھی
آ چراغوں کے جسم جلتے ہیں
جگمگائی ہوئی ہے رات ابھی
زیست کا سلسلہ عدم تک ہے
اس بلا سے کہاں نجات ابھی

سوزؔ نجیب آبادی کے کلام میں جہاں دل کا درد اور احساس کی تڑپ نمایاں ہوتی ہے، وہیں نئی لفظیات کی دستک بھی ان کے شعری محاسن کے دروازے کی علامت بن جاتی ہے۔ انھوں نے ترقی پسند شعراء یا پھر جدیدیت پسندوں کی طرح علامتی اور اشترا کی لہجے کو اجتہادی لہجے کے طور پر اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی، بلکہ حد درجہ خالص فکر کے ساتھ اپنے تجربات اور مشاہدات کو نظموں اور غزلوں میں شامل کیا ہے۔ ان کے لطیف جذبات میں درد کی کسک کو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن وہ درد کو اظہار کا ذریعہ بنا کر شاعری کو کسی لحاظ سے بھی شکایت کا وسیلہ بننے نہیں دیتے بلکہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ راضی بہ رضا رہ کر زندگی گذارنے کو مقصد انسانیت تصوّر کرتے ہیں۔ جس سے ان کی ثابت قدمی کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کے شعری ظرف اور فکری احساس کو سمجھنے کے لئے ایک غزل کے تمام اشعار درج ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کے مزاج میں تلون نہیں بلکہ وہ ہر آفت و مصیبت کو سہارنے کا سلیقہ رکھتا ہے۔ غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

سمجھئے اب تو ان آنکھوں میں اشک آنے سے
غرض خوشی کو پڑی کیا غریب خانے سے

خدا سکون کی دولت لُٹا رہا تھا اور
سکون مانگتے پھرتے تھے ہم زمانے سے

یہ بات دن کے مقدر میں رات لکھی ہے
سمجھ میں آتی ہے سورج کے ڈوب جانے سے

گئے دنوں کو جوانی کے شوخ لمحوں کو
گذشتہ عمر لگا کر گئی ٹھکانے سے

توثیق حسن خان سوز نجیب آبادی کے کلام کے جائزے سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر فطرت شناس ہیں اور خدا نے انھیں مشاہدہ کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اسلئے غزل ہو یا نظم وہ پوری شدت کے ساتھ شاعری کے ذریعہ حقیقت کی عقدہ کشائی کا کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عصری حسّیت کی تازگی اور خیالات کی پرکاری کے علاوہ فطری وابستگی کی جلوہ گری محسوس کی جاسکتی ہے۔ نجیب آباد سے ترک وطن کرنے والے نظام آباد کی سرزمین سے شاعری کے نئے افکار کے ایوان سجانے والے اس شاعر کے کلام کو خراج پیش نہ کیا جائے تو بلاشبہ اسے عصری شعر گوئی پر ستم کرنے کے مترادف قرار دیا جائے گا۔ غرض تازہ کار خیالات کی پیش کشی کے ساتھ عصری مسائل کو جمالیاتی آہنگ میں پیش کرنے کی خصوصیت کے نتیجہ میں سوؔز نجیب آبادی کو مبارکباد دینا درحقیقت عصری شاعری کے اعتراف کے مترادف ہے۔ اس لئے سوؔز نجیب آبادی کے کلام کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہوئے یہ خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اردو غزل اور نظم نے عصری تقاضوں کی تکمیل کا حق ادا کیا ہے چنانچہ اس حق پرستی کی نمائندگی کرنے والے اہم شعراء میں سوز نجیب آبادی کے مقام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ایک اہم شعر پر یہ گفتگو ختم کی جاتی ہے۔

رکھ آنکھ میں منزل کی تمنا کا اُجالا
ہر موڑ پہ رستے میں دیا ڈھونڈنے والے

پروفیسر مجید بیدؔار

۶/ مارچ ۲۰۱۳ء

اضراب پر ایک نظر

شکیل رحمانی، مجاہد آزادی (یوپی)

شعروں شعر آبشار ترنم، سماعت بھر موسیقیت، سوچ بھر خمار، آلودسی آنکھیں، آنکھوں پر دبیز سا چشمہ، مختصر سی دیو بندی مولویوں جیسی داڑھی، لفظوں لفظ منفرد لب و لہجہ، منکسر مزاج، باغ و بہار طبیعت۔ یہ ہیں کلاسیکی اردو غزل کو درخشندہ کرنے والے توثیق حسن خاں سوزؔ نجیب آبادی جن کی اچھی اور سچی شاعری سے اُن کے سامعین اور قارئین یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ آفاقیت کی گونج کے ساتھ زمینی حقیقتوں والی اُن کی شاعری ابوابِ فکر و نظر وا کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئی ہے۔

سوزؔ صاحب اتر پردیش ضلع بجنور کے اس مردم خیز خطے کے ایک خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا نام نجیب آباد ہے۔ جس سرزمین شعر و ادب نے عالم گیر شہرت رکھنے والے شاعر علامہ تاجورؔ نجیب آبادی واختر الایمان اور اکبر شاہ خاں جیسے تاریخِ اسلام کے مورخ سرزمین ہندوستان کو دیئے۔ سوزؔ صاحب کے والد کا نام تقدیس حسن خاں تھا۔ سوزؔ ۱۲ / مارچ ۱۹۵۳ کو نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا عربی، فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے والد پیشۂ معلّمی سے متعلق تھے، اور بڑے ہر دلعزیز انسان تھے۔ سوزؔ صاحب کی تعلیم یہاں کے مقامی مدارس میں ہوئی۔ انہوں نے ساہو جین کالج سے

بی۔اے پاس کیا،شاعری کا شوق انہیں اوائل جوانی سے ہی رہا۔ان کا کلام مشہورادبی ونیم ادبی رسائل میں شائع ہوتا رہااورآ کاش وانی نجیب آباد، دلّی اردوسروس، نیز آ کاش وانی سری نگر سے بھی نشر ہوتا رہا ہے۔وہ گلشنِ ادب کے سکریٹری اور غالب اکیڈمی نجیب آباد کے صدر بھی کچھ دنوں تک رہے۔انہیں اختر الایمان اور غالب ایوارڈ بھی حاصل ہوئے۔بے حد مترنم ہونے کی وجہ سے وہ مشاعروں میں بے حد مقبولِ عوام وخواص رہے۔ان کی شاعری بڑے تیکھے انداز میں سیدھے سادے الفاظ میں ہونے کی وجہ سے سیدھی دلوں میں اُتر جاتی ہے۔

جہاں تک سوؔز صاحب کی شاعری کا تعلق ہے ان کی متوازن شاعری میں انوکھا جہانِ معنی غلطاں نظر آتا ہے۔کلام میں فطری حسیت کے علاوہ ندرت و جدت بھی ہے شاعری کو خانوں میں بانٹنے سے وہ کلاسکیت ترقی پسندیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا لیبل لگا کر گہری عصری صداقتوں کا شعر کے ذریعہ عرفان نہیں کراسکتی۔شاعری کسی حصار میں مقیّد نہیں ہے۔صرف نئی ردیفوں،نئی بحروں کے استعمال سے شاعری پر جدیدیت،ترقی پسندی یا مابعد جدیدیت کا لیبل نہیں لگایا جاسکتا۔سوؔز صاحب کی شاعری کسی نظریئے یا اِزم کی مبلّغ نہیں ہے۔ البتہ ان کے ذہن کے بحرِ مواج کی زیریں لہروں میں انسانی زندگی کا کرب آج کے دورِ سیاست کے جبر واستحصال واستبداد کے خلاف نفرت کی ایک چنگاری سلگتی نظر آتی ہے۔وہ حیاتِ انسانی کی شگفتگی،خوش حالی،مسرت اور فراغت کے قائل ہیں اوران کی غزل از مطلع تا مقطع عہد کی سرفرازی کی بشارت ہے۔ان کا حوصلہ مند دل زمانے کی جلاّدی کو چیلنج کرتا دکھائی پڑتا ہے۔

راہِ طلب میں دل کی تباہی سہی مگر
دیکھیں گے کتنے تیر زمانے کے پاس ہیں

انہوں نے اپنی غزلوں کو نیا رنگ و آہنگ دیا ہے ۔

رستے کی پہچان کی آخر کچھ تو قیمت دینی تھی
اُونچی نیچی راہوں میں اک ٹھوکر کھا بھی لی تو کیا

ان کا یہ تابناک شعر شاید آپ مدتوں گنگناتے رہیں ۔

اللہ رے اس دل کا عالم تیرے جانے پر
بہلا تو لیا لیکن بہلا کے بہت روئے

ایک اور تیکھا شعر ملاحظہ فرمایئے ۔

کل رگِ احساس پر جو آبلے تھے اُن کے عکس
اب میرے فکرِ سخن کے آئینہ خانے میں ہیں

اُن کے چند دل آویز شعر دل میں اُتر جاتے ہیں ۔

نظروں کی طہارت کے لئے اشک بہا کر
آنکھوں کا وضو کرتے ہیں دیدار سے پہلے
تیسری راہ نہیں کوئی ، کروگے کیا تم
جینے مرنے سے طبیعت اگر اُکتائی بھی

حادثہ بن بن کے آفاتِ جہاں کا ٹوٹنا
ہم نے جھیلا ہے سروں پر آسماں کا ٹوٹنا

ہم اس جہاں کو جہنم نہیں تو کیا سمجھیں
ہر ایک شخص یہاں مبتلا عذاب میں ہے

اب تو اشفاق کا سینہ ہے بھگت کی گولی
رکھّی ہوگی کبھی دونوں نے رفاقت قائم

زندگی صرف سانس لینے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ زندگی کچھ غمِ جاناں اور کچھ غمِ دوراں کی سلگتی ہوئی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہونے اور اپنی منزل کی جانب پہنچنے کا نام ہے۔سودا نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں اس مختصر سی زیست میں کیا کیا کرے کوئی

زندگی کے حوالے سے علامہ اقبال فرماتے ہیں

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

لیکن سوؔز صاحب بھی اس ضمن میں رقم طراز ہیں۔

ڈگر پر آگ کی ہنستے ہوئے چلنے کا فن ہے یہ
یہ جینے کی طرح جینا بہت مشکل سے آتا ہے

ان کا ایک چُبھتا ہوا شعر دیکھیں ؎

خدا سکون کی دولت لُٹا رہا تھا اور
سکون مانگتے پھرتے تھے ہم زمانے سے

ایک ایک شعر نعت اور منقبت کا بھی دیکھ لیں ؎

سب کو ہے تم سے عشق سبھی تم پہ ہیں نثار
لیکن ہمیں بلالؓ سے دیوانے کم ملے

؎

لگتا تھا اُن کی جرءت و ہمت کو دیکھ کر
میدانِ کربلا میں بہتّر حسینؓ ہیں

انہوں نے مردہ زمینوں اور ردیف قوافی کو حیاتِ دوام بخشی ہے ان کے قلم کے جادو طراز کوندے کی لپک کی بات ہی کچھ اور ہے ۔ جہاں وہ ایک طرف ترجمانِ حکایاتِ حسن و عشق ہیں وہیں تصوف و عرفان کی دقیقہ سنجیاں بھی ان کی دسترس میں ہیں ۔ان کے اشعار مبسوط روایات سے مصلّح ہوتے ہیں ۔اور اس طرح دل و دماغ پر وار کر جاتے ہیں کہ قاری سرشاریت کے دریا میں بہنے لگتا ہے ۔ان کے یہاں اصغر کا تقدس جگر کی سرشاریت و غنایت کا امتزاج ملتا ہے ۔ان کے یہاں شاخِ گل کی لچک بھی ہے اور تلوار کی خارا شگافی بھی ۔سوزؔ آج نظام آباد کی سرزمین پر اپنے جادوئے فن سے عوام و خواص سے داد و تحسین حاصل کر رہے ہیں ۔آج وہ اس مقامِ خاص پر فائز ہیں جہاں اچھے اچھے غزل گو شعراء کو ان پر رشک ہو سکتا ہے ۔ان کی گنگا جمنی زبان کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی اور متوازن و عام فہم ہے ۔ابہام و

ایہام ان کے یہاں نام کو نہیں ۔ان کے اشعار میں ان کے داخلی تہلکوں کی گونج سنائی دیتی ہے ۔ وہ استعاروں اور تشبیہوں اور کنایوں کے واسطے سے ہر خیال کو مثالیہ بنانے کے قائل ہیں ۔ان کے چونکا دینے والے آہنگ سے ان کے خوش آئند مستقبل کا پتا چلتا ہے ۔ جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کسی گلشنِ ناآفریدہ کے عندلیب کہے جاسکتے ہیں۔ان کی نظمیں اور نعتیہ کلام بھی خاصہ کی چیزیں ہیں ۔نظموں میں بھی وہ زندگی کے ہر حادثے اور سانحہ کو اپنے مشاہدات اور تجربات کی گرفت میں لاکر اُس کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں ۔ دروں بینی اور خود احتسابی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دور کے مدو جزر اور اپنے دور کے تمدنی انحطاط اخلاقی زوال اور معاشرتی زوال کا بڑی بالغ نظری سے احاطہ کرتے ہیں ۔الفاظ کے نئے پیکر تراشنے اور معنی کی نئی جہتوں اور سمتوں کا پتا لگانے میں اُن کا تخلیقی ذہن محوِ سفر ہے ۔اُن کا شعری تجربہ بہت طویل ہے ۔نامعلوم منزلوں کی طرف اُن کی جست اور ان کے بھر پور اقدام کی گرفت اتنی سریع الاثر ہے کہ سامعین ان کی شاعری سے لامحدود توقعات قائم کرنے میں حق بہ جانب ہیں ۔ان کے الفاظ جمالیات کی گرامر سے انحراف نہیں کرتے ۔نہایت طرح دار اشعار کہنے کا سلیقہ ان کا ادبی شعار ہے ۔جدید کلاسیکی شاعری کرنا ان کی دستار کا طرۂ امتیاز ہے ۔ان کی شاعری عصرِ حاضر کے فراعنہ رجعت پسندوں اور زندگی کا راستہ روکنے والوں کے خلاف زبردست احتجاج ہے ۔ان کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت انسانی رشتوں کا احترام کم وبیش پچیس سالہ شاعرانہ تجربے اور بصیرت نے ان کے اشعار

کو اظہار کی وہ صداقت عطا کی ہے جس سے وجدان کو تسکین ملتی ہے، روح کے زخموں کو مرہم دستیاب ہوتا ہے۔

سوزؔ صاحب بے حد مترنم ہیں جب وہ کلام سناتے ہیں تو سماعتوں پر نور کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وہ اکثر مشاعروں پر چھا جاتے ہیں اور ان کے لحن داؤدی کے آگے دوسروں کے چراغ مشکل سے جل پاتے ہیں۔

سوزؔ صاحب نے غزلیات کے علا وہ نظمیں ، گیت ، اور کچھ نعتیں اور منقبتیں بھی زیبِ قرطاس کی ہیں۔ جہاں تک ان کی گیت نگاری کا تعلق ہے ان کے گیتوں میں ہندوستان اور اس کی سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو مہک رہی ہے ۔گیتوں سے ان کی حُب الوطنی ، انسان دوستی ، انسان کا سکھ دکھ، شعری پیکروں میں ڈھل کر ان کی جدّتِ طبع اور حقیقت نگاری کی جھلکیاں پیش کرتا ہے ۔ان کی نظمیں ان کی غزلوں سے بھی زیادہ تابناک اور زندگی سے زیادہ قریب دکھائی پڑتی ہیں۔ان کی نظموں میں بے گھری ، انکشاف ، اور ایک یاد، نہایت کامیاب اور اثر آفریں نظمیں ہیں۔

بے گھری کا تھیم بے گھری ہے۔ عبادت خانوں سے لے کر مہانگر کی پانچ ستارہ ہوٹلوں ، کلبوں ، اور عشرت کدوں میں زندگی رقص کر رہی ہے۔ رات ہو چکی ہے اور ایک غریب اور بے سہارا بچی بے گھری کا عذاب جھیلتے ہوئے بے سائبان فٹ پاتھ پر اپنی میلی چادر بچھا کر سو جاتی ہے۔اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔ نہ خدا نہ انسان! یہ پوری کی پوری نظم شدتِ تاثر سے لبریز ہے۔ نظم کا آخری شعر آنکھوں کو نم کر جاتا ہے۔

رات جب گہراتے سنّاٹے کے اندر کھو گئی

عائشہ فٹ پاتھ پر چادر بچھا کر سو گئی

ان کی دوسری نظم انکشاف بے بدل نظم ہے۔تیسری نظم جوان کے مجموعۂ شعری کی جان ہے''ایک یاد'' ہے۔اس نظم میں ان کی کثیر الابعاد شاعری اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے۔اس نظم میں تخیل کا کمال ہم پر منکشف ہوتا ہے۔شاعر تصّورات کی دنیا میں گُم ہے۔اس کو نظر پڑتا ہے کہ بالکل بوڑھا ہو گیا ہے۔اور اس کا عالم شباب رخصت ہو چکا ہے۔بال برف کی مانند سفید ہو گئے ہیں۔فصلِ شباب موسمِ پیری میں ڈھل گئی ہے۔پھر یکا یک اس کے تصّور نے کروٹ بدلی اور وہ پھر سے اپنے کو جوانی کے دور میں لوٹتا نظر آتا ہے۔اس کے پیش نظر ایک ریل کا منظر ہے اس کے مقابل ایک ماہ وش بیٹھی ہے، وہ اسے تکے جا رہی ہے شاعر عالمِ دیوانگی میں اس سے سوال کرتا ہے کہ کیا وہ اس کے کالج کی شانتی ہے؟ یا کوئی اور۔؟ اس اثنا میں وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کی گود میں ایک بچہ بھی ہے جسے وہ مسلسل سہلا رہی ہے۔شاعر اس سے سوال کرتا ہے کہ آیا وہ اُسے جانتی ہے کہ نہیں۔؟ وہ حسینہ شاعر کو یہ جواب دیتی ہے کہ وہ اس کو اس لئے تکے جا رہی تھی کہ کیوں کہ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا بیٹا بھی بڑا ہو کر ویسا ہی خوبصورت اور تندرست جوان بن جائے گا جیسا کہ وہ شاعر ہے۔آخری بند میں وہ حسینہ اس طرح گویا ہوتی ہے۔

بس اس لئے ہی تم کو تکے جا رہی تھی میں

خوابوں سے اپنے آپ کو بہلا رہی تھی میں

ماں بن کے اچھے بیٹے کی اترا رہی تھی میں
بیٹا جوان دیکھ کے شرما رہی تھی میں
کہنے کو اور کچھ بھی نہ باقی رہا جو کل
اور اک قدم خیا ل نے پیچھے رکھا جو کل

اس طرح شاعر زندگی کی اس نیرنگی اور فنا پذیریت سے حیران او رمبہوت ہوجاتا ہے۔میں یہ دعویٰ تو ہرگزنہیں کرسکتا کہ سوزؔ صاحب جوشؔ ،جگرؔاورفراقؔ کی ٹکّر کے شاعر ہیں لیکن بقولِ جگرؔ ''جوذرّہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے'' سوزؔ پر یہ شعرصادق آتا ہے۔یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ سوزؔ اُردو شاعری میں کیا مقام بناپائیں گے۔فی الحال توان کی شاعری یہ دعویٰ کرنے کی مجاز ہے کہ

''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما''

یہ زیرتبصرہ مجموعہ کلام فکر ونظر کے نئے ابواب وا کرتا ہے۔مجھے اُمید ہے اعلیٰ درجہ کا معیارِ ذوقِ سخن رکھنے والے قارئین اس کے مطالعہ سے بے حدمتاثر ہونگے۔اور یہ مجموعۂِ شاعری اردو میں ایک نئے دوراور ایک نئے انسان کی بشارت ثابت ہوگا۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

۱۵رجنوری ۲۰۱۰ء
شکیل رحمانی مجاہدِ آزادی
(یوپی)

میرے تاثرات

پدم شری کشمیری لال ذاکر سکریٹری ہریانہ اردو اکیڈمی چنڈی گڑھ

نجیب آباد کا نام سنتے ہی مجھے علامہ تاجور نجیب آبادی کی یاد آ گئی۔ تاجور صاحب کسی زمانے میں دیال سنگھ کالج لاہور میں اردو اور فارسی کے پروفیسر اور ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ تھے اور اعلیٰ درجہ کے نقاد تھے۔ ان کے ایک شاگرد تھے کرپال سنگھ بیدار جو پٹیالہ ہی کے نہیں سارے ہندوستان کے نامور شاعر تھے۔ کئی سال پہلے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ میرے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے اور اکثر تاجور نجیب آبادی کو بڑے ہی فخر سے یاد کیا کرتے تھے اسی طرح سے میرے ایک اور دوست پروفیسر جگن ناتھ آزاد جو کئی برسوں تک لاہور میں مقیم رہے تھے اور پنجاب کی ادبی محفلوں کی زینت رہے تاجور نجیب آبادی سے اپنی قربت کا ذکر کرتے تھے اور ان کی علم پروری کی باتیں سنایا کرتے تھے۔ جب سوزؔ نجیب آبادی صاحب نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ ان کا شعری مجموعہ عنقریب شائع ہو رہا ہے اور میں اس مجموعہ کے لئے اپنے تاثرات بھیجوں تو مجھے ایک دم تاجور نجیب آبادی صاحب کا خیال آیا اور اردو ادب میں ان کی Contribution ذہن کے

پردے پر جگمگا اُٹھیں اور مجھے محسوس ہوا کہ سوزؔ صاحب کا نجیب آباد سے تعلق ہی اس امر کا ثبوت تھا کہ وہ شاعری کے میدان میں ضرور اپنا مقام بنا چکے ہوں گے اور جب انھوں نے اپنے کلام کے کچھ نمونے مجھے بھیجے تو میں ان کے شاعرانہ جوہر کا قائل ہو گیا ۔وہ ایک ادبی رسالے ''تمہید'' سے بھی وابستہ ہیں اس لئے پڑھنے والوں کے مزاج کو پہچانتے ہیں ۔ میں ثبوت کے طور پر سوزؔ صاحب کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں ملاحظہ کیجئے ۔

منزل کی طرف جانے سے کس کس کو نہ روکا
کل سائے نے دیوار کے دیوار سے پہلے

جو بات ضروری تھی اسی بات پہ آکر
لب سِل گئے اس بار بھی اظہار سے پہلے

مقیم جیسے کہ خوشبو کسی گلاب میں ہے
بسا ہوا وہ ہمیشہ خیال و خواب میں ہے

دل انتظار میں ساحل کے مضطرب تھا بہت
سکون مل گیا کشتی کے ڈوب جانے سے

اب آپ خود ہی ان کے تخلیقی ہنر کا مقام طے کیجئے اور ان کے شعری مجموعہ کا گرم جوشی سے استقبال کیجئے ۔

مورخہ

پدم شری کشمیری لال ذاکرؔ

سپاس واعتراف

سوزؔ نجیب آبادی

لائقِ حمد وثناء ہے وہ ذات جس نے مجھے انسانی وجود بخشا، مجھے قوتِ گویائی دی اور مجھے شعر گوئی کی صلاحیت سے نوازا۔ میں گذشتہ پینتیس سالوں سے اپنے پڑھنے اور سننے والوں کے درمیان ہوں۔گذشتہ ۳۵ سالوں سے پرنٹ میڈیا اور برقی میڈیا کے ذریعے جو قارئین اورسامعین میرا کلام پڑھ یا سن رہے ہیں اور میری حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں، میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی حسبِ سابق وہ میری حوصلہ افزا کرتے رہیں گے۔میں ان مدیرانِ کرام کا بھی شکر گزار ہوں جو اپنے رسائل وجرائد کے ذریعہ میرا کلام پڑھنے والوں تک پہنچاتے رہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی ان کا یہ تعاون نہ صرف جاری رہے گا بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگا۔

اب یہ میرا اولین شعری مجموعہ ''اَضراب'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس میں صاحبِ مرتبہ دانشوروں کی تحریریں شامل ہیں۔جن سے میرے کام کو سمجھنے میں عام قاری کو مدد ملے گی۔میں ان دانشوروں میں پروفیسر مجید بیدار صاحب سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ موصوف نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود میری گزارش کو قبول کیا اور اپنی بصیرت افروز تحریر سے نوازا۔عالی مرتبت جناب شکیل رحمانی کا بھی

بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے پیرانہ سالی کی تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہوئے بھی مجھ سے اظہار خلوص کیا اور اپنی تحریر کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی کی۔

میں ترانوے سالہ بزرگ اُردو کے زرین عہد کی باقیات معروف شاعر اور معتبر افسانہ نگار پدم شری کشمیری لال ذاکر صاحب کا احسان مند ہوں کہ موصوف نے میری گزارش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنی تحریر کے ذریعے اس شعری مجموعہ کو وقار بخشا۔ میں ڈاکٹر محسن جلگانوی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں اور جناب رؤف خیؔر صاحب کا بھی ممنون ہوں، اس کے علاوہ میں اپنے ان بے شمار دوستوں کا جو جنوب سے شمال تک اس ملک کے مختلف علاقوں میں میری محبت کو اپنے دلوں میں بسائے ہوئے جی رہے ہیں۔شکریہ ادا کرتا ہوں دل کی گہرائیوں سے ان کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ میں اپنے سرپرستوں میں جناب سید ایوب علی صاحب ، سید مجیب علی صاحب، جناب سید نجیب علی صاحب، جناب سید شعیب علی صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مقامی شعراء وادباء اور دیگر اصحاب جو مجھ سے رشتۂ خلوص رکھتے ہیں۔ میں ان سب کا تہہ دل سے سپاس گزار ہوں، اور خمار بارہ بنکوی کے الفاظ میں دعا کرتا ہوں کہ ؎

مجھے عشق میں آسرا دینے والے

سلامت رہیں راستہ دینے والے

لیکن میں بہت کوشش کے باوجود وہ الفاظ تلاش نہیں کر پایا جن کے ذریعے جناب ڈاکٹر عبدالقدیر مقدؔر کے بیکراں احسانات کا شکریہ ادا کرسکوں۔

مورخہ: ۱۵؍فبروری ۲۰۱۴ء

سوؔز نجیب آبادی

نظام آباد (اے پی)

مناجات

حوصلہ دنیا میں جینے کا برائے زندگی
مانگنے دے چھوڑ بھی رستہ مرا اے نارسی

بڑھتی جاتی ہے مرے مولیٰ تری ناراضگی
پہلے یہ دنیا مرے حق میں نہ تھی اتنی شقی

نورِ رحمت کو کشادہ کر دے اتنا اے خدا
زندگی کی راہ پر ہو روشنی ہی روشنی

اکھڑے قدموں کو جما دے مالکِ اوج وفراز
پھر صدائیں دے رہی ہے رزم گاہِ زندگی

قلب پر تشکیک کی تاریکیوں کے دور میں
ہو عطا انسان کو یارب یقیں کی روشنی

O

کل رگِ احساس پر جو آبلے تھے اُن کے عکس
اب مرے فکرِ سخن کے آئینہ خانے میں ہیں

تیرے غم تک ہی نہیں محدود یہ رودادِ غم
رونقیں سارے جہاں کی دل کے افسانے میں ہیں

سجدہ گاہیں بنتے جاتے ہیں نشاناتِ قدوم
دیدنی ہیں آج جو اوصاف دیوانے میں ہیں

داؤ پر میں نے لگائی زندگی جس کے لئے
سینکڑوں غم آج اس دنیا کو اپنانے میں ہیں

O

ہاتھوں کے لئے برگِ حنا ڈھونڈنے والے
نا کام پلٹ آئے وفا ڈھونڈنے والے

رکھ آنکھ میں منزل کی تمنا کا اُجالا
ہر موڑ پہ رستے میں دِیا ڈھونڈنے والے

اب ہم کو کسی گھر کسی کوچے کی خبر کیا
ہیں ہم تو خود اپنا ہی پتہ ڈھونڈنے والے

آزارِ مسلسل ہے یہ انسان کا جیون
تھک جائیں گے اِس دُکھ کی دوا ڈھونڈنے والے

سینے سے لگا لیتے تھے ہر موجِ بلا کو
ہر غم میں ترے غم کا مزا ڈھونڈنے والے

کم یاب ہیں اِس دورِ بد اطوار کے اندر
ہونٹوں پہ بزرگوں کے دعا ڈھونڈنے والے

O

رہبرِ جادہء منزل پہ ہنسی آتی ہے
لڑکھڑاتے ہوئے اِس دل پہ ہنسی آتی ہے

حسرتِ قربتِ منزل پہ ہنسی آتی ہے
اب تو دیوانگیء دل پہ ہنسی آتی ہے

یاد کرکے تری صورت تری باتیں اکثر
یوں تڑپتا ہے کہ اِس دل پہ ہنسی آتی ہے

عمر گُم کرکے فراہم کیا سامانِ حیات
اب مجھے زیست کے حاصل پہ ہنسی آتی ہے

قُلزمِ غم میں تو ہوتے ہیں کنارے بھی بھنور
جب یہ سنتا ہوں تو ساحل پہ ہنسی آتی ہے

جگمگاتا ہے جو سورج کی شعاعوں کے طفیل
اُس بھکاری مہِ کامل پہ ہنسی آتی ہے

سوزؔ ہر لمحہ وہی مصلحتِ وقت کی بات
سُن کے دیوانے کو عاقل پہ ہنسی آتی ہے

O

لٹنے کا سبب اپنے بتلا کے بہت روئے
دنیا کے کرم دِل کو گنوا کے بہت روئے

اوراقِ کتابِ دل پلٹا کے بہت روئے
ہم تیری کہانی کو دہرا کے بہت روئے

اللہ رے اِس دل کا عالم ترے جانے پر
بہلا تو لیا لیکن ، بہلا کے بہت روئے

کیا گُذری ہے اُس دل پر بس یہ تو خدا جانے
ہاں ہم شبِ فرقت میں گھبرا کے بہت روئے

انجامِ محبت پر روکے نہ رُکے آنسو
وہ میری کہانی کو دُہرا کے بہت روئے

O

کبھی جدا دو بدن ہوئے تو دِلوں پہ یہ دو عذاب اُترے
بچھڑنے والے کی یاد آئی مِلن کے آنکھوں میں خواب اُترے

بڑھی ہے فکرِ معاش جب سے مرے خیالوں کی وادیوں میں
نہ اُس کے چہرے کا چاند اُبھرا نہ عارضوں کے گلاب اُترے

الجھ گیا زندگی کے کانٹے میں اتفاقاً ہمارا دامن
زمیں کے گولے پہ سیر کرنے کو ہم جو خانہ خراب اُترے

جنھوں نے مانگی انہیں تو دی ہی گئی جہاں میں خوشی کی دولت
بغیر مانگے بھی کاہلوں پر فلک سے غم بے حساب اُترے

چلی جو آندھی تو ہر کلی نے جھکا کے سر کو یہ التجا کی
چمن کے مالک ہمارے رخ سے ابھی نہ رنگِ شباب اُترے

O

اب صدا کوئی نہیں سُنتا کِسے آواز دوں
ہوگیا سارا جہاں بہرا کسے آواز دوں

جس کے سازِ دل پہ میرے درد کا نغمہ سجے
کون ہے درد آشنا ا یسا کسے آواز دوں

آج اپنی الجھنوں کی ڈور سلجھانے کو میں
مشورہ دے اے غمِ دنیا کسے آواز دوں

زندگی کی کھوج میں جو کھو گئی وہ زندگی
ڈھونڈ لانے کے لئے بتلا کسے آواز دوں

دھوپ میں حالات کی جلتا ہو ا اک پیڑ سا
سوچتا ہوں میں کھڑا تنہا کسے آواز دوں

اپنی پلکوں پر اٹھالے جو مرے اشکوں کا بار
دور تک کوئی نہیں ایسا کسے آواز دوں

O

اب خزاں آئے یا بہار آئے
کوئی موسم تو سازگار آئے

ہم نے ہاری تھی عشق کی بازی
لوگ تو حوصلے بھی ہار آئے

رکھ کے اُس دَر پہ سر اٹھاتے کیا
آج یہ بوجھ بھی اُتار آئے

اب وہ لمحے ہیں راستوں کے چراغ
تیری دُھن میں جو ہم گزار آئے

ہے یہ شعلہ تو کوئی بات نہیں
دل اگر ہے تو پھر قرار آئے

سوزؔ پل پل بدلتی دنیا پر
کس طرح دل کو اعتبار آئے

O

رنگ بدلے گی کائنات ابھی
خوں فشاں ہے رگِ حیات ابھی

سہہ رہا ہے ترے ستم ، دنیا
جی رہا ہے یہ بدصفات ابھی

زیست کا سلسلہ عدم تک ہے
اس بلا سے کہاں نجات ابھی

ہے قیافے پہ فلسفہ قائم

کس کو معلوم اصل بات ابھی

آ چراغوں کے جسم جلتے ہیں

جگمگائی ہوئی ہے رات ابھی

ٹمٹماتے دِیوں سے کیا ہوگا

اور گہرائے گی یہ رات ابھی

دُور ہے سوزِ عامِ انساں سے

راحتوں سے بھری حیات ابھی

O

اب تو یہ عالم ہے گھبرا کر غم و آلام سے
بھاگتا ہے دُور انساں زندگی کے نام سے

مانگنے والوں کی صف میں آ گئی اولادِ شہ
اور تم کیا چاہتے ہو گردشِ ایام سے

عمر بھر کر کے ادا ہر قرض تیرا زندگی
جھاڑ کر دامن کو اب بیٹھا ہوں میں آرام سے

صورت و سیرت کے اندر اتنی تبدیلی کے بعد
کون اب دے گا صدا ہم کو ہمارے نام سے

اِس زمین و آسماں کے درمیاں آنے کے بعد
کیوں رہے محروم کوئی درد کے انعام سے

درد کی لذّت تو اُس دم گیت میں پیدا ہوئی
آرزو روئی لپٹ کر جب دلِ ناکام سے

O

حیات اکثر متاعِ عیش انساں پر لُٹاتی ہے
مگر دُکھ دے کے پہلے آدمی کو آزماتی ہے

جنوں کی آبرو قائم ہے جن سے وہ یہی تو ہیں
مرے دامن کے ٹکڑے جن پہ دنیا مسکراتی ہے

لگا رکھّا ہے سینے سے یہ دل اس واسطے میں نے
کہ اِس سازِ دَرُونہ سے تری آواز آتی ہے

دلوں کو موہنے کی بات لفظوں میں نہیں ہوتی
محبت اپنا کلمہ مست نظروں سے پڑھاتی ہے

یقینی ہے سکونِ دل کی بربادی محبت میں
طبیعت کب مگر اِس مشغلے سے باز آتی ہے

نظر کی دسترس سے دُور جا کر رہنے والوں کو
بلا تاخیر ہر چشمِ تصوُّر ڈھونڈ لاتی ہے

O

کھل کے پھولوں نے وہ کیاری کبھی مہکائی بھی
رنگ چھلکاتی ہوئی صبحِ بہار آئی بھی

میرے آنے کے تعلق سے تمہیں یاد رہے
میرے ساتھ آئے گی چل کر مری رسوائی بھی

تیسری راہ نہیں کوئی کروگے کیا تم
جینے مرنے سے طبعیت اگر اُکتائی بھی

جس نے تنہا مجھے چھوڑا تھا اُسی نے اکثر
اپنی یادوں سے سجائی مری تنہائی بھی

ختم ہوتی ہے جو ملتے ہی بچھڑ جانے پر
اُس نے اپنی وہ کہانی کبھی دہرائی بھی

O

مرے غم مسرتوں میں شب و روز ڈھل رہے ہیں
وہ نظر اٹھا رہے ہیں مرے دن بدل رہے ہیں

یہ بتا رہی ہے دھڑکن میں چھپی قدم کی آہٹ
وہی ساتھ ہیں ہمارے وہی ساتھ چل رہے ہیں

نہ پلک پہ اشک لرزاں نہ ہے لب پہ آہِ سوزاں
یونہی پاس بیٹھے رہئیے کہ وبال ٹل رہے ہیں

ہے انہی کی ضوفشانی مری زندگی کا حاصل
شبِ غم میں حوصلوں کے جو چراغ جل رہے ہیں

اُنہیں کچھ گراں نہ گذری یہ ہوا کی تیز گامی
جو تمہاری راہ میں تھے وہ چراغ جل رہے ہیں

O

سوچا نہیں کسی نے بھی اک بار کیا کریں
ڈوبا ہوا لہو میں ہے سنسار کیا کریں

وہ بھی ہمارے دوست تھے جو جا کے صبح و شام
دشمن سے پوچھتے تھے کہ سردار کیا کریں

منزل کا راستہ تو بہت صاف تھا مگر
تھی مصلحت کی بیچ میں دیوار کیا کریں

بخشی ہے زندگی نے جنھیں غم کی تیز دھوپ
وہ اب تلاش سایۂ دیوار کیا کریں

دے ہر ادا کی دید کو مخصوص ایک آنکھ
اِن دو عُیون سے ترا دیدار کیا کریں

O

اور تو سب ہیں مرے نام سے کٹنے والے
چند کانٹے ہیں یہ دامن سے لپٹنے والے

کرکے اشکوں سے وضو بیٹھ کے تنہائی میں
رٹتے رہتے ہیں ترے نام کو رٹنے والے

یاد آتے ہیں مجھے دور کے منظر کی طرح
میری باہوں، مرے پہلو میں سِمٹنے والے

ایک اک کرکے اُمیدوں کے دیئے بجھنے لگے
سوؔز یہ غم کے اندھیرے نہیں ہٹنے والے

آگ کی پگڑیاں باندھے ہوئے بیٹھے ہیں چراغ
ضربِ ظلمات سے بھی سر نہیں پھٹنے والے

O

نہ بلاؤں سے نہ آفات سے ڈر لگتا ہے
اب تو اپنوں کی عنایات سے ڈر لگتا ہے

کیا ملائیں گے سرِراہ وہ نظریں ہم سے
ان کو دنیا کے سوالات سے ڈر لگتا ہے

یہ کہا دل کی طرف دیکھ کے اُس نے میرے
ایسے ویران مقامات سے ڈر لگتا ہے

دل تجھے لے تو چلیں شہرِ نگاراں میں مگر
تیری فطرت تری عادات سے ڈر لگتا ہے

اس لئے توڑ دی اس نے وہ عمارت کہ اُسے
میری عظمت کے نشانات سے ڈر لگتا ہے

پہلے ہوتی تھی کسی بات سے دہشت اب تو
سوؔز دنیا کی ہر اک بات سے ڈر لگتا ہے

O

طے کر رہے ہیں کیوں یہ رہ غم نہ پوچھئے
زندہ ہیں کس اُمید پہ اب ہم نہ پوچھئے

کس کس بلا سے پُر ہے بیابانِ زندگی
کیا کیا رہِ حیات میں ہیں خم نہ پوچھئے

لیتا ہوں کس کا نام میں تسبیحِ اشک پر
کس کے لئے ہے آنکھ مری نم نہ پوچھئے

خاموشیاں لبوں کی نگاہوں کی گفتگو
کیا تھا بچھڑتے وقت کا عالم نہ پوچھئے

میں سوزِ دل فریب امیدوں کے ہاتھ سے
پیتا رہا ہوں کب سے یہاں سم نہ پوچھئے

O

ہم کو غمِ حیات کے کانٹوں پہ ڈال کے
لکھوائے ہم سے وقت نے نغمے کمال کے

رکھ دی گئی دلوں سے صداقت نکال کے
شاید بہت قریب ہیں موسم زوال کے

سچّا جواب ایک ہی ہوتا ہے میرے دوست
کتنے جواب دے گا مرے اک سوال کے

ہم دس کے ہندسے میں ہیں اس ایک کی طرح
زیرو ہی باقی بچتا ہے جس کو نکال کے

عادت ہمیشہ گھومتے رہنے کی ہے اسے
رکھنا قدم زمیں پہ ذرا دیکھ بھال کے

اب خواہشوں کے ڈسنے کا رونا فضول ہے
ہم نے تو خود کئے ہیں جواں سانپ پال کے

O

بارہا جیتے ہوئے مورچے ہارے میں نے
آستینوں میں پلے سانپ نہ مارے میں نے

میری تقدیر نے تدبیر کے پر کاٹ دیئے
چومنا چاہے بہت اُڑ کے ستارے میں نے

بوئے نغمات لٹانے لگے جذبات کے پھول
دامنِ لفظ پہ رکھ کہ جو سنوارے میں نے

سخت طوفان میں بھی حوصلے والوں کی کبھی
دور کشتی سے نہیں پائے کنارے میں نے

سوزؔ کانٹے کی طرح چبھتے ہوئے لمحے بھی
کھلتے پھولوں کی طرح ہنس کے گزارے میں نے

O

گرم لُو کس کو ، کسے سرد ہوا کہتے ہیں
سب بتادیتی ہے دنیا کسے کیا کہتے ہیں

ہم وہاں ہیں جہاں کمزور کو عاجز بندہ
اور شہزور کو بندوں کا خدا کہتے ہیں

تنگدستی ہے رہِ زیست کا وہ موڑ جہاں
آ کے ہم موت کو ہر دُکھ کی دوا کہتے ہیں

اپنی کمزوریاں دنیا سے چھپانے کو لوگ
اپنی ناکامی کو قسمت کا لکھا کہتے ہیں

زندگی ہوش کے عالم کا ہے پُر کیف سفر
پھر بھی نافہم مگر اس کو سزا کہتے ہیں

سوزؔ دراصل ہے وہ فرض شناسی کا عمل
دیگر الفاظ میں ہم جس کو وفا کہتے ہیں

O

گذر جانا تو سب کو ہی رہِ منزل سے آتا ہے
سلیقہ خوش خرامی کا مگر مشکل سے آتا ہے

ڈگر پر آگ کی ہنستے ہوئے چلنے کا فن ہے یہ
یہ جینے کی طرح جینا بہت مشکل سے آتا ہے

چلے آتے ہیں غم میں اشک پلکوں کے کنارے پر
یہ طوفاں جب بھی آتا ہے اسی ساحل سے آتا ہے

چلے آؤ چلے آؤ سفر تھوڑا سا باقی ہے
یہی پیغام ہر لمحہ مجھے منزل سے آتا ہے

وہی تو گرمیءِ غم سے پگھل کر اشک بنتا ہے
جو ذرّہ ٹوٹ کر یارو زمینِ دل سے آتا ہے

O

انساں ہوس کے روگ کا مارا ہے اِن دنوں
بے لوث ربط کس کو گوارا ہے اِن دنوں

دل اب مرا دماغ کے طابع ہے اس لئے
جینا ترے بغیر گوارا ہے ان دنوں

محرومیوں کو مان کے تقدیر کا لکھا
دل سے غموں کا بوجھ اُتارا ہے اِن دنوں

موزوں ہے وقت آمدِ طوفان کے لئے
کشتی سے میری دُور کنارا ہے اِن دنوں

کوچے میں زندگی کے تلاشِ سکون میں
اک یُگ بھٹک کے میں نے گزارا ہے ان دنوں

O

لوگ اس طرح بھی آج یہاں محوِ یاس ہیں
ہونٹوں پہ قہقہے ہیں مگر دل اُداس ہیں

راہِ طلب میں دل کی تباہی سہی مگر
دیکھیں گے کتنے تیر زمانے کے پاس ہیں

آؤ کہ ہنس کے پھول کی سُنّت ادا کریں
خوشیاں لُٹائیں غم تو یہاں سب کے پاس ہیں

موسم نے لاکھ پھول کھِلائے تو کیا ہوا
تم سے بچھڑنے والے تو اب بھی اُداس ہیں

ہم تو یہ جانتے ہیں یہ ایّامِ زندگی
ہستی کی مے کے ساغر و جام و گلاس ہیں

O

اندھیرے زندگی کی راہ پر حاوی ہوئے جب بھی
مری آنکھوں میں منزل کی طلب نے روشنی بھر دی

اگر حالات کو دیکھو تو صورت یہ ہے دنیا کی
یہ شہزوروں کی جنت بھی ہے کمزوروں کی دوزخ بھی

حقیقت یہ ہے کہ تبدیلیوں کے نام پر اب تک
صدی بدلی ہے لیکن قسمتِ انساں نہیں بدلی

ملے گی عالمِ عقبیٰ میں جنت کیوں ہمیں اے دل
نہ مل پائی ہمیں جب آ کے اِس دنیا میں دنیا ہی

ہمیشہ زہر کو امرت سمجھ کر بزمِ دنیا میں
پیالی زندگی کے زہر کی ہم نے تو ہنس کر پی

O

ابھی تو درد سے اس دل کا رابطہ ہے وہی
ہماری راہ میں کانٹوں کا سلسلہ ہے وہی

یہ آنکھ خواب ستاروں کے دیکھتی تھی مگر
مرے نصیب میں جو تھا مجھے ملا ہے وہی

چھُڑا کے ہاتھ غم ِ زندگی سے جاؤں کہاں
فلک وہی ہے زمیں کا بھی دائرہ ہے وہی

وہی کھُلی ہوئی آنکھیں ہیں چاند سورج کی
تری تلاش میں جاتی ہوئی ہوا ہے وہی

بقول آئینہ میں وہ نہیں رہا لیکن
تمہارا پھول سا چہرہ کھِلا کھِلا ہے وہی

بھروسہ سوز طلوعِ سحر کا ہے ورنہ
اندھیری رات ہے ظلمت کا سامنا ہے وہی

○

رنج و راحت کے مجھے گیت سناتی ہی رہی
زندگی پھول بھی کانٹے بھی اُگاتی ہی رہی

لاکھ ٹھوکر سے ہواؤں نے اُڑایا لیکن
آرزو ریت پہ اک نقش بناتی ہی رہی

پرچم عشق کے انداز میں صحرا کی ہوا
دھجّیوں کو مرے دامن کی اُڑاتی ہی رہی

جل ترنگوں کی صدا جیسی کسی کی وہ ہنسی
گھنٹیاں سی مرے کانوں میں بجاتی ہی رہی

دِن نہیں نکلا اجالا نہیں پھیلا جب تک
ظلمتِ شب دلِ انساں کو ڈراتی ہی رہی

دبدبہ زیست نے ایسا رکھا قائم اپنا
سوزؔ منھ ہم سے سدا موت چھپاتی ہی رہی

O

بہتے پانی کی طرح موجِ صدا کی صورت
سوئے منزل ہیں رواں لوگ ہوا کی صورت

جادۂ زیست پہ انسان کے آگے پیچھے
حادثے گھومتے رہتے ہیں قضا کی صورت

درد کو دل کے مٹانے کے لئے میں اب تو
روز لیتا ہوں ترا نام دوا کی صورت

یاد رکھ دہر کی دیوار کے ہٹنے پر ہی
دیکھ سکتی ہے کوئی آنکھ خدا کی صورت

حشر کے روز سے پہلے بھی تو میں داورِ حشر
زندگی کاٹ کے آیا ہوں سزا کی صورت

کھوج اس دورِ خرابی میں کوئی خوبیِ سوزؔ
نسلِ آدم کے لئے کوئی بقا کی صورت

O

خود کو پاکر یکہّ و تنہا لگا ایسا مجھے
کردیا اللہ نے بھی کس قدر تنہا مجھے

بے دلی سے اس خرابے میں پڑا جینا مجھے
راس تو آئی نہیں یہ کج ادا دنیا مجھے

حسنِ سیرت کا سحر آمیز جلوہ دیکھتی
دیکھتی میرے قریب آکر اگر دنیا مجھے

ہوگئی جملہ متاعِ عمر نذرِ زندگی
کس قدر مہنگا پڑا یہ زندگی جینا مجھے

جو کبھی ٹوٹے نہیں ہمت شکن حالات میں
ہو عطا ایسا مثالی حوصلہ مولا مجھے

تھی یقیں کی راہ چھوٹی اس لئے لگتا ہے اب
عقل کے رستے سے منزل کا سفر لمبا مجھے

شہرتِ دیوانگی ہے نامکمل آج بھی
اے جنونِ شوق تھوڑا اور کر رسوا مجھے

O

غم کو نغموں میں بدلنے کا عمل اور سہی
تلخیِ زیست پہ اک تازہ غزل اور سہی

عالمِ یاس میں دَم توڑتی حسرت کے لئے
میرے نغمات کا اک تاج محل اور سہی

اب اندھیرے میں اجالے کی بقا کی خاطر
کوئی اِس ڈوبتے سورج کا بدل اور سہی

اِس زمانے میں سہولت کی فراوانی کے
آدمی کے لئے اک چین کا پَل اور سہی

جب بھی دورانِ اذاں، شنکھ بجا یہ سوچا
آبِ زم زم میں یہ گنگا کا بھی جل اور سہی

O

سر پر اس بدلی کی چھاؤں آج سجا بھی لی تو کیا
یہ مِل کر چھن جانے والی دنیا پا بھی لی تو کیا

رستے کی پہچان کی آخر کچھ تو قیمت دینی تھی
اونچی نیچی راہوں میں اک ٹھوکر کھا بھی لی تو کیا

ظلمت کے ماحول میں جل کر شب بھر ننھّے دیپک نے
سورج کی تقلید میں خود کو آگ لگا بھی لی تو کیا

دنیا کے ہنگاموں سے گھبرائی طبیعت ہم نے اب
یاروں کی محفل میں آکر کچھ بہلا بھی لی تو کیا

اک دن آہیں آنسو لے کر یومِ غم تو آنا ہے
سوزؔ محرم سے پہلے گر عید منا بھی لی تو کیا

O

سمجھئے اب تو ان آنکھوں میں اشک آنے سے
غرض خوشی کو پڑی کیا غریب خانے سے

خدا سکون کی دولت لُٹا رہا تھا اور
سکون مانگنے پھرتے تھے ہم زمانے سے

یہ بات دن کے مقدر میں رات لکھّی ہے
سمجھ میں آتی ہے سورج کے ڈوب جانے سے

گئے دنوں کو جوانی کے شوخ لمحوں کو
گذشتہ عمر لگا کر گئی ٹھکانے سے

دل انتظار میں ساحل کے مضطرب تھا بہت
سکون مل گیا کشتی کے ڈوب جانے سے

مری وفا کا جفا سے جواب دے کے سوزؔ
ہنسا تو دیتی ہے دنیا کسی بہانے سے

O

تڑپ پیہم نہیں ہے بے کلی کم ہوتی جاتی ہے
مدد اے شعلۂ غم آنچ مدھم ہوتی جاتی ہے

دلِ انساں میں بڑھتی جاتی ہے سیلاب کی صورت
بیابانوں میں تو ویرانگی کم ہوتی جاتی ہے

کہیں ایسا نہ ہو دنیا بھی چھوٹے خلد کی صورت
خطا کاری میں یکتا نسلِ آدم ہوتی جاتی ہے

خدا کے سامنے جھکنے میں جس کو عار تھی کل تک
اب انسانوں کے آگے وہ جبیں خم ہوتی جاتی ہے

سنائے جاتے ہیں ایک ایک رودادِ الم آنسو
مگر دل کی صدا ہر آن مدھم ہوتی جاتی ہے

ترقی کے یہ زہر آلود بادل جب سے برسے ہیں
سکونِ دل کی پیداوار کم کم ہوتی جاتی ہے

زمیں پر اپنی جب سے یہ مشینوں کا عذاب آیا
بشر کی زندگی اک دردِ پیہم ہوتی جاتی ہے

O

نظروں کی طہارت کے لئے اشک بہا کر
آنکھوں کا وَضو کرتے ہیں دیدار سے پہلے

جو بات ضروری تھی اسی بات پہ آکر
لب سِل گئے اس بار بھی اظہار سے پہلے

جس شہر میں پہنچا ہوں، مرا دیکھا گیا ہے
معیار ِ رہائش مرے کردار سے پہلے

منزل کی طرف جانے سے کس کس کو نہ روکا
کل سائے نے دیوار کے دیوار سے پہلے

بے کاوش و محنت نہیں ملتا یہاں دانہ
پرواز کو پر کھولئے منقار سے پہلے

آواز نہ تھی کوئی، خموشی کے مقابل
اس پاؤں کی زنجیر کی جھنکار سے پہلے

O

مقیم جیسے کہ خوشبو کسی گلاب میں ہے
بسا ہوا وہ ہمیشہ خیال و خواب میں ہے

نظر ملا کے غم زندگی کو بھول سکوں
سرور اتنا تو اُس آنکھ کی شراب میں ہے

جسے زبانِ بشر کہہ سکی ہے لفظوں میں
ابھی لکھی ہوئی وہ بات ہی کتاب میں ہے

نہیں جواب مکمل کسی کے پاس اس کا
یہاں پہ آدمی کیوں مبتلا عذاب میں ہے

ہم اس جہاں کو جہنم نہیں تو کیا سمجھیں
ہر ایک شخص یہاں مبتلا عذاب میں ہے

O

ہو کے وابستہ تیرے نام کے ساتھ
زندگی خوشنما سی لگتی ہے

گل سے وابستہ خار دار یہ شاخ
اُس کا عکسِ وفا سی لگتی ہے

کوئی دیکھے تو عمر کی رفتار
تیز چلتی ہوا سی لگتی ہے

غلبہ ءِ بزدلی میں انساں کو
موت دکھ کی دوا سی لگتی ہے

عمر بھر اب تلاشِ علم کے بعد
انتہا ابتدا ء سی لگتی ہے

اُڑتی بدلی کسی پری کے سوز
تن سے ڈھلکی رِدا سی لگتی ہے

O

اور اُس در سے عطا ہوتا نہیں
کم میں مفلس کا بھلا ہوتا نہیں

کون سنتا ہے یہاں موسیٰ کی بات
ہاتھ میں جب تک عصا ہوتا نہیں

جس میں دل کی دھڑکنیں شامل نہ ہوں
اس کہانی میں مزا ہوتا نہیں

کیوں پڑھیں تاریخ ہم ، اُس میں لکھا
حال ہر انسان کا ہوتا نہیں

وقت کرتا ہے اُجالوں سے مذاق
گُل ہواؤں سے دِیا ہوتا نہیں

سوزِ چشمِ یار اگر پانی نہ دے
پیار کا پودا ہرا ہوتا نہیں

O

بولی غرور کی وہ بشر بولنے لگا
لہجے میں مال و زر کا اثر بولنے لگا

ڈالی جو میں نے اُس پہ تجسُّس بھری نظر
باتیں گئے دنوں کی کھنڈر بولنے لگا

ہے یہ درست کھل نہ سکے اس کے بند لب
چہرہ تو دل کی بات مگر بولنے لگا

گرتے ہیں پھول شاخ سے یا تو یہ ٹوٹ کر
یا نرم گرم بول شجر بولنے لگا

تکمیلِ فن تو ہوگئی، اشعار میں مرے
انسانیت کا درد مگر بولنے لگا

O

دولت ، عزت ، علم اگر ہے
جیون اِک پُرکیف سفر ہے

مانا ، میں بے گھر ہوں لیکن
اِس دنیا میں کس کا گھر ہے

دنیا سی بے معنی شَے کے
چھن جانے کا کس کو ڈر ہے

دیکھ مرے حالات کا زنداں
کوئی دریچہ ہے نہ در ہے

سب لُٹ جانے پر اب تک بھی
موتی سا اک پلکوں پر ہے

سوزؔ نہ بدلی دنیا ، اب بھی
نیزے پر سچّے کا سر ہے

O

حادثہ بن بن کے آفات ِ جہاں کا ٹوٹنا
ہم نے جھیلا ہے سروں پر آسماں کا ٹوٹنا

ٹوٹنا اتنے دِلوں کا نفرتوں کے دور میں
ہے مرے نزدیک یہ ہندوستاں کا ٹوٹنا

آمدِ فصلِ بہاراں تک نہ مٹ اے زندگی
دیکھ لینے دے مجھے زورِ خزاں کا ٹوٹنا

موت کیا ہے زندگی میں آدمی کے جسم سے
روح کا آزاد ہونا قفلِ جاں کا ٹوٹنا

تا کہ اک قیدی کو مِل جائے رہائی قید سے
ہے اِسی باعث یہ ربطِ جسم و جاں کا ٹوٹنا

O

گزرتا پَل گڑھے میں موت کے گِرتا رہا برسوں
یہاں تو موت کو ہی زندگی کہنا پڑا برسوں

تماشہ دیکھنے میرا نہ آئے آپ ہی میں تو
بگولے کی طرح میدان میں رقصاں رہا برسوں

بلند آواز میں جھوٹی کہانی کہہ کے وہ سمجھا
رہے گی گونجتی دنیا کے گنبد میں صدا برسوں

وہ بوڑھا پیڑ آخر گر گیا آندھی میں کل جس نے
ہمیں سایہ دیا خود دھوپ میں تپتا رہا برسوں

کسی بے صحن کمرے کے اصولوں کو میں کیا سمجھوں
کھُلے میدان کی کھائی ہے میں نے تو ہوا برسوں

O

پرکھ لے اس کو چُنے جس کو دوستی کے لئے
یہ احتیاط ضروری ہے آدمی کے لئے

بدل بھی سکتی ہیں کل نفرتیں محبت میں
تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تو دوستی کے لئے

سلام صبح کی جانب سے ان چراغوں کو
جلے جو شب کے اندھیرے میں روشنی کے لئے

غموں کو بھول کے جینے کی دل میں ٹھانو تو
بہت ہیں زیست میں گنجائشیں خوشی کے لئے

ہم اس کے بعد نئی جرءتِ حیات کے ساتھ
عدم کو جائیں گے اک اور زندگی کے لئے

O

ہم نے دعا میں حادثہ ٹلنے کی بات کی
آفت کو رحمتوں میں بدلنے کی بات کی

بن کر چراغ شام سے جلنے کی بات کی
ظلمت کو روشنی میں بدلنے کی بات کی

مر کر بھی اس کی خاک کے اندر سما گئے
لیکن نہ اس وطن سے نکلنے کی بات کی

تنگ آ کے دل نے کشمکشِ زندگی سے کب
ہستی کے دائرے سے نکلنے کی بات کی

ہم نے رکھے نگاہ میں آدابِ رہروی
جب پاؤں ڈگمگائے سنبھلنے کی بات کی

O

لوگوں کا تو ہے یہ اُصول
دینا کانٹے لینا پھول

تم اپنی دھن ، میں مدغم
کام میں اپنے ہم مشغول

بد خبری سے پُر اخبار
روز آنہ کا ہے معمول

جینا سیکھ اے آدم زاد
ظلم کو مت دے اتنا طول

جھوٹو ں کا انصاف ہے یہ
سچے ہیں سب نامعقول

سوزؔ بدی کا دور ہے یہ
کہاں گئے ورثا ءِ رسول

O

میداں میں اب تو آپ سروں کو اچھالئے
افواجِ دشمناں نے تو نیزے اُٹھا لئے

مردانہ وار اُٹھایئے ہنس ہنس کے بارِ غم
رو رو کے غم منانے کی عادت نہ ڈالئے

دنیا کہے کہ ہاں اِسے کہتے ہیں زندگی
اس عرصہ ءِ حیات کو ایسا اُجالئے

آتی ہے موت جسم کو مرتی نہیں ہے روح
یہ کہہ کے خوف موت کا دل سے نکالئے

کشتی ہوا کے رخ پہ رکھی یا خلافِ رخ
بحرِ طلب میں اس نے کنارے تو پالئے

یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم کس اُمید پر
بیٹھے ہیں سوزؔ اپنے لبوں پر دعا لئے

O

مان کانٹے کی چبھن سے دوستی کا ترجمہ
مسکراتا پھول ہے زندہ دلی کا ترجمہ

مانتا ہوں آدمی کو بے بدل، میں اس لئے
آدمی کرتا ہوں لفظِ آدمی کا ترجمہ

روکنے کے واسطے بڑھتے اندھیرے کے قدم
ہم نے بیداری کیا ہے روشنی کا ترجمہ

اس کے معنی امن سمجھے مدتوں تک یہ جہاں
آیئے ایسا کریں اس زندگی کا ترجمہ

کردیا ہے کس نے چُپکے سے خطِ امواج میں
درج لوحِ آب پر یہ بے کلی کا ترجمہ

ہے کتابِ دل میں جو عنوانِ حسرت کے تحت
ہے جہانِ رنگ و بو کی دل کشی کا ترجمہ

O

ہوائے غم سے ہوئے ہیں ہم ایسے گرد آلود
کہ زخم خوردہ ہے احساس دل ہے درد آلود

غموں کی دھول سے سارا جہاں ہے گرد آلود
ہر ایک گوشۂ دل اور جاں ہے درد آلود

ہماری آنکھ کے آنسو نہ گِن سکوگے تم
ہمارے قلب کی دنیا بہت ہے درد آلود

شکستہ ساز تھا کہنے کو بے صدا تھا وہ
دلِ غریب مگر تھا بلا کا درد آلود

ذرا سا خاک کے ذروں نے سر اُٹھایا تو
سب آج ہو گئے ٹیلے پہاڑ گرد آلود

اگر بہار نہیں ہے خزاں کے زیرِ اثر
تو سبز رنگ میں کیا ہے یہ زرد زرد آلود

جو راج کرتی ہے صدیوں سے مرد کے دل پر
اُسے گِلہ ہے کہ ہے یہ سماج مرد آلود

O

موت کا منشاء یہی ہے ہنس کے جینا چھوڑ دوں
کثرتِ آلام سے گھبرا کے دنیا چھوڑ دوں

منزلِ ہستی کی ان پیچیدہ راہوں پر بتا
کس طرح اے زندگی میں تجھ کو تنہا چھوڑ دوں

سوچتا ہوں جاتے جاتے یاد آنے کے لئے
میں بھی مہندی کی طرح کچھ رنگ اپنا چھوڑ دوں

توڑ کر رکھ دے گی اِس کو تلخیوں کی کشمکش
رابطے ڈور کو تھوڑا سا ڈھیلا چھوڑ دوں

اب یہاں تو دوست دشمن کا پتہ چلتا نہیں
کس کا ہم راہی بنوں میں ساتھ کس کا چھوڑ دوں

O

کسی دن اس طرح انصاف کا اِمکان جاگے گا
فنا ہوگی یہ دنیا حشر کا میدان جاگے گا

فروغِ آدمیت کا قوی امکان جاگے گا
دلِ انساں میں تبدیلی کا اب ارمان جاگے گا

یہی سنتے رہے کہ اب چلے گی بادِ بیداری
زمیں پر اب سویرا ہوگا اب انسان جاگے گا

بھلائی کی روش اپنانے والے ہوش میں آجا
قدم اس راہ پر رکھتے ہی ہر شیطان جاگے گا

یہ تنکے اور ذرّے خاک کے سب سَر اُٹھائیں گے
صدائے بادِ صَرصَر سنتے ہی میدان جاگے گا

اُگیں پُر خار جھاڑی بن کے ہم بنجر زمینوں میں
ستم کی رت کے پودوں میں یہی ارمان جاگے گا

O

کیجئے حشر سے پہلے ہی عدالت قائم
ورنہ دنیا میں رہے گی نہ صداقت قائم

اب تو اشفاق کا سینہ ہے بھگت کی گولی
رکھّی ہوگی کبھی دونوں نے رفاقت قائم

تازہ خونریز فسادات بتاتے ہیں ہمیں
ذہنِ انساں میں ہے اب تک بھی جہالت قائم

اپنے کردار کی عظمت کی بقا کی خاطر
ہم کو رکھنی ہے زمانے میں محبت قائم

رات کتنی بھی ہو تاریک گزر جاتی ہے
آدمی رکھّے ذرا حوصلہ ہمت قائم

اُس نے دیوار تو نفرت کی اٹھائی تھی مگر
رکھنے والوں نے رکھی سوزِ محبت قائم

O

قوی ہو اتنا تو دنیا میں دوستی کا وجود
گراں کسی کو نہ گزرے یہاں کسی کا وجود

بڑھے گی فکرِ بشر میں خلوص کی گرمی
گھُلے گا برف کی مانند دشمنی کا وجود

یہ خیر و شر کی کہانی ابھی ادھوری ہے
اسی لئے ابھی قائم ہے آدمی کا وجود

زمیں کو خون میں نہلا کے شر پسند ابھی
خلا میں ڈھونڈ نے نکلے ہیں زندگی کا وجود

فضا میں بکھریں گے کب تک یہ خون کے چھینٹے
پلے گا خوف میں کب تک ہر آدمی کا وجود

O

اللہ ذوالجلال کو حاجت روا سمجھ
اس کے سوا کسی کو نہ مشکل کُشا سمجھ

اپنی نظر میں ذات کو اپنی برا سمجھ
ہے بھی اگر بھلا تو نہ خود کو بھلا سمجھ

حُبِّ جہاں کو وجہ ِ نزولِ بلا سمجھ
خوش مت ہو پا کے دولتِ دنیا کو نا سمجھ

نامِ خدا کو منبعِ امن و سکون مان
یادِ خدا کو دہر میں دکھ کی دوا سمجھ

تعظیم بندگانِ خدا کی تو کر مگر
بندے کو بندہ مان خدا کو خدا سمجھ

خورشید ڈوبتے ہوئے دیتا ہے یہ پیام
ہر چیز کو زوال ہے غافل ذرا سمجھ

نظمیں

انکشاف

عالمِ ہوش میں آنے پہ مرے پہلے پہل
جو مرے ساتھ تھی اک جنس گراں مایہ سی
جومرے ساتھ تھی شفقت کا گھنا سایہ سی
روپ میں ماں کے زمانے کی اِسی راہ پہ کل

پھر جوانی میں مجھے روپ میں بیوی کے ملی
میرے سکھ دکھ کی مری زیست کی ساتھی بن کر
اور ماں بن گئی پھر جو مرے بچے جن کر
میرے نزدیک وہ عورت فقط عورت ہی نہ تھی

اک معمہ تھی مرے واسطے عورت کی ذات
میں نے دن رات تلاشے جو سوالوں کے جواب
آخرش ہٹ ہی گیا روئے حقیقت سے نقاب
کھل کے آ ہی گئی اک دن مرے آگے یہ بات

لوگ عورت جسے کہتے ہیں وہ ''کن'' کا ہے ساز
منکشف ہو ہی گیا مجھ پہ چھپا تھا جو راز

پھر بھی!

حالانکہ وہ جوشِ اشک نہیں
ہونٹوں پہ وہ اب فریاد نہیں
جذبات کی شدت کم تو ہوئی
پر اب بھی طبیعت شاد نہیں

فرصت کے کشادہ لمحوں میں
آجاتی ہیں اب بھی یاد کبھی
اظہارِ رفاقت کرتے ہوئے
باتیں وہ تری جذبات بھری

حالانکہ وہ جوشِ اشک نہیں
ہونٹوں پہ وہ اب فریاد نہیں
دل کا جو نگر اُجڑا تھا کبھی
وہ اب تک بھی آباد نہیں

خط تم بھی نہیں لکھتی ہو کبھی
خط ہم بھی نہیں لکھتے ہیں کبھی
لیکن یہ بھروسہ تو دیکھو
لگتا ہے کہ خط آئے گا ابھی

حالانکہ وہ جوشِ اشک نہیں
ہونٹوں پہ وہ اب فریاد نہیں
جیون میں کبھی بھولا ہوں تمہیں
ایسا بھی کوئی دن یاد نہیں

آخر

دیارِ حسن کی بے مثل نازنین ہے وہ
بہت حسین ہے یارو بہت حسین ہے وہ

ابھار جسم کے ہیں دلکشی میں لاثانی
سوا ہے چاند سے بھی رخ پہ اس کے تابانی
بہاؤ آنکھ سے اس کی نشے کا ہوتا ہے
کمر کا ڈھال لچکدار شاخ جیسا ہے

وہ یار باش جواں سال منچلا لڑکا
لہک لہک کے یہی داستاں سنا تا تھا

کسی سے فون پہ معلوم یہ کیا جب کل
مجھے بتایئے کس حال میں ہے وہ پاگل
یہ سُن کے اس نے کوائف کو آشکار کیا
مرے سوال کا ہنس کر مجھے جواب دیا

تمہارے دور کے آوارہ قیس کو چاچا
بنادیا ہے زمانے نے باپ لیلےٰ کا

ایک یاد

بھولے سے آئینے میں جو دیکھی کل اپنی شکل
پایا خزاں کے سائے میں عمرِ رواں کا نخل
مانندِ یخ سفید تھی بالوں کی پکّی فصل
تبدیلیوں کو دیکھ کے چکرائی میری عقل

معلوم یہ ہوا مجھے ، پردہ اُٹھا جو کل
اور ایک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

کہ دھوپ زندگی کی بہت جلد ڈھل گئی
فصلِ شباب ، موسمِ پیری میں جل گئی
دل پر لگی یہ چوٹ کہ دنیا بدل گئی
ہاتھوں سے مرے ہائے جوانی نکل گئی

چشمِ تصورات ہوئی پھر رسا جو کل
اوراک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

میں خواب ہائے دورِ جوانی میں کھو گیا
یادوں کی گہری جھیل کے پانی میں کھو گیا
جذبات کی ندی کی روانی میں کھو گیا
گذرے ہوئے دنوں کی کہانی میں کھو گیا

ماضی کی سمت اور میں تھوڑا چلا جو کل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

قصہ سفر کا ریل کے یاد آ گیا مجھے
میرے تصورات میں دہرا گیا مجھے
چھوڑے ہوئے مقام پہ پہنچا گیا مجھے
تصویر گزرے دور کی دکھلا گیا مجھے

دیکھا یہ میں نے اور میں پیچھے چلا جو کل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

گودی میں لے کے بچے کو بہلا رہی ہے وہ
اس کی کمر کو ہاتھ سے سہلا رہی ہے وہ
دیوانہ وار مجھ کو تکے جارہی ہے وہ
میں اس کو دیکھتاہوں تو شرما رہی ہے وہ

یادوں کا ساز ذہن نے چھیڑا ذرا جوکل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

کہتاہوں اس سے میں کہ مجھے جانتی ہو تم
واقف ہو مجھ سے کیا مجھے پہچانتی ہو تم
جو میرے ساتھ پڑھتی تھی وہ شانتی ہو تم
رادھا ہو میرے گاؤں کی یا کانتی ہو تم

پھرمیں اُتر کے ریل سے آنے لگا جو کل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

ہنس کر دبی زبان سے بولی وہ خوش خصال
اچھے ہو تم تمہاری جوانی ہے بے مثال
دیکھا تمہیں تو دل میں یہ پیدا ہوا خیال
تم سا جوان ہوگا بڑا ہوکے میرا لال

کہنے لگی یہ بات میں اٹھ کر چلا جو کل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

بس اس لئے ہی تم کو تکے جارہی تھی میں
خوابوں سے اپنے آپ کو بہلا رہی تھی میں
ماں بن کے اچھے بیٹے کی اِترا رہی تھی میں
بیٹا جوان دیکھ کے شرمارہی تھی میں

کہنے کو اور کچھ بھی نہ باقی رہا جو کل
اور اک قدم خیال نے پیچھے رکھا جو کل

سعیِ رائیگاں

ہرا بھرا ہے وہ کالج کالان نظروں میں
سہانے دور کا منظر نظر میں تازہ ہے
میں اس کو اپنی نگاہوں سے گُد گداتا ہوں
اور اس کے چہرے پہ رنگِ خوشی کا غازہ ہے

کسی کے ساتھ وہ جینے کی بات اب تک بھی
ربابِ ذہن کے تاروں کو جھنجھناتی ہے
زبانِ دل سے کسی سے کیا ہوا وعدہ
لکیر کی طرح پتھر کی اب بھی باقی ہے

مگر جو عمر تَعلُّم کی نذر کی میں نے
وہ اپنی عمر سراسر خراب کی میں نے
صلہ طویل ریاضت کا یہ ملا گویا
تلاشِ آب میں سیر سراب کی میں نے

اگر اُگا مرے گھر میں تو وہ اُگا پودا
کہ جس کی شاخ پہ اک پھول کھِل نہیں سکتا
اگر ملی بھی تو کالج سے وہ ملی ڈگری
کہ جس کے بدلے کفن تک بھی مل نہیں سکتا

ضرورتوں کے عذابوں میں مبتلا رہ کر
کسی کے ذہن کی الجھن کو کس طرح سمجھوں
اُلجھ کے اپنے ہی حالات کے بھنور مِیں مَیں
کسی کے قلب کی دھڑکن کو کس طرح سمجھوں

میرے ہمدم

پھر زباں پر دردِ دل کی ہے کہانی کس لئے
تو نے اپنالی روش پھر یہ پرانی کس لئے
جو بھی ہونا ہے وہ سب ہو کر رہے گا یاد رکھ
دل کی دنیا کو سکون و صبر سے آباد رکھ

مسکرا کر زندگی کا گیت گانے کے لئے
کل کے دن کو آج سے بہتر بنانے کے لئے

ٹوٹ کر بکھرے ہوئے خوابوں سے منھ کو پھیر کر
دل شکن غم کو کھنکتے قہقہوں سے زیر کر
پھر حیات افزا نیا سا کوئی گانا چھیڑ دے
حوصلہ مندی سے پُر کوئی ترانہ چھیڑ دے

زندگی کے ہاتھ میں زندہ دلی کا ساز دے
غم میں کھوئی زندگی کو دلنشیں آواز دے

☆

ایک ہی راستہ

کل کا گذرا ہوا دن ہم سے بہت دور گیا
چھپ گیا جاکے وہ ماضی کے اندھیرے میں کہیں
چھِن گیا ایسے کہ جیسے وہ ہمارا ہی نہ تھا
اور اب اس سے ہمارا کوئی رشتہ ہی نہیں

رات کے بعد کل اک اور جو دن آئے گا
کس سے کیا چھینے گا کیا کس کو وہ دے جائے گا
کس کو سیراب کرے گا کسے ترسائے گا
کس کو معلوم ہے کس کے لئے کیا لائے گا

گزری کل اور اِس آتی ہوئی کل کا قصّہ
بھول کر آج ، چلو آج کو اپنائیں ہم
یہ ہی اپنا ہے یہی مان کے اپنا کے اسے
آج کے دن کو تو جی جان سے جی جائیں ہم

☆

سوچ

کھلے پن کے ماحول کا قدر داں تھا
ان آزادیوں کا ہی میں مدح خواں تھا
تقاضوں کو اِس دور کے جانتا تھا
تمہاری طرح ہی میں یہ مانتا تھا

میں سوچا کِیا دھوپ میں زندگی کی
ضروری ہے زلفوں کے سائے میں جینا
ضروری ہے اس زندگی کی تھکن میں
شرابِ نظر کا بھی اک جام پینا

مگر کیا کروں ذہن بے باکیوں کے
نتیجے کی بابت بہت سوچتا ہے
نئ راہ کے سلسلہ ِ میں مرا دل
اب آنکھیں یہ کہہ کر مری کھولتا ہے

الگ راہ اپنی بناتے ہو جب تم
روایت کی قدغن ہٹاتے ہو جب تم
اُسی وقت فطرت تمھیں روکتی ہے
تمھیں خود تمہاری انا ٹوکتی ہے

تمدن کی تہذیب کی روشنی میں
ترقی کے اس دور میں اس صدی میں
میسّر کسی کو نہیں سیدھا رستہ
وہ بھٹکاؤ ہے آج کی زندگی میں

اگر تم کو جینے کا ڈھب جاننا ہے
تو پھر خاکِ رازِ قضا چھاننا ہے
کسی راہ پر پاؤں دھرنے سے پہلے
تمھیں اپنی منزل کو پہچاننا ہے

☆

پیغام

حیات اب آدمی کی اور بھی بوجھل نہ ہو جائے
زمیں پر پھیلتے جاتے ہیں ظلم و جبر کے سائے
زمانے کی تباہی کے قوی آثار بن آئے
تقاضے وقت کے دل نے مجھے یہ کہہ کے سمجھائے

اجالے سے اندھیرے کو مٹانے کا زمانہ ہے
یہ سوئی آدمیت کو جگانے کا زمانہ ہے

یہ عورت کی محبت کا فسانہ مت سناؤ اب
ربابِ نطق پر بیداریوں کی دُھن بجاؤ اب
چٹانوں کی طرح جم کر کھڑا ہونا سیکھا ؤ اب
اُٹھو تبدیلیوں کا کوئی نغمہ گنگناؤ اب

چلو ہمارے ساتھ

نگاہوں میں پُر نور دنیا بسا کر
اُجالے کو اب اپنی منزل بنا کر
چلو چاند سورج کی کرنیں چنیں گے
چمکدار جیون کے سپنے بنیں گے

سحر خیز جذبات اب سو چکے ہیں
اندھیرے زمیں کے مکیں ہو چکے ہیں
چلو چاند سورج کی کرنیں چنیں گے
چمکدار جیون کے سپنے بُنیں گے

اندھیرے میں ہیں غرق دن اور راتیں
مناسب نہیں ہیں تساہل کی باتیں
چلو چاند سورج کی کرنیں چنیں گے
چمکدار جیون کے سپنے بُنیں گے

☆

کم نہیں یارو

خوشی بھی ہے یہاں اب صرف غم ہی غم نہیں یارو
یہ دنیا بھی کسی جنت سے ہرگز کم نہیں یارو
سجاؤ اس کو خوش انجام پاکیزہ خیالوں سے
اسے آراستہ کرلو صداقت کے اجالوں سے

محبت کے چلن کو عام کرکے تو ذرا دیکھو
چلے گی پھر سکونِ قلب کی ٹھنڈی ہوا دیکھو
لکھی قسمت میں اپنی صرف چشمِ نم نہیں یارو
یہ دنیا بھی کسی جنت سے ہرگز کم نہیں یارو

اسے واقف کراؤ علم کے روشن سویروں سے
اسے باہر نکالو تو جہالت کے اندھیروں سے
اسے محرومیوں کے قہر سے محفوظ تو کرلو
کہ اِس خاکے میں کچھ آسودگی کا رنگ تو بھرلو

کہو گے تم ہی پھر اب ہم کو کوئی غم نہیں یارو
یہ دنیا بھی کسی جنت سے ہرگز کم نہیں یارو

میں

مہکتا ، مسکراتا پھول ہوں میں
حیاتِ رنگ و بو ، کا طول ہوں میں
سجانے میں چمن مشغول ہوں میں
مرا رستہ مری منزل حسیں ہے
مجھے خوفِ خزاں یوں بھی نہیں ہے

خزاں آئے گی تو جھڑ کر گِروں گا
گروں گا ، گر کے مٹی میں ملوں گا
مہیا رزق پودے کو کروں گا
مری کشتی کا تو ساحل یہیں ہے
جہاں میں ہوں مری منزل وہیں ہے

یہ جیون کی کہانی یوں کہوں گا
مہک بن کر فضاؤں میں رہوں گا
بہ شکلِ بوئے گل اُڑتا پھروں گا
نہ جانے کیوں مجھے ایسا یقیں ہے
مرا مسکن مرا مرکز زمیں ہے

دنیا کے اندر دے

زندگی بھر کان میں آتی رہی ہے یہ صدا
صبر کر تقدیر پر شکوہ نہ اپنے لب پہ لا

دولتِ آسودگی بھی خلد میں دے گا خدا
بے یقیں انسان لیکن سن کے یہ کہتا رہا

وعدہ ءِ جنت سے تو میرا نہیں بھرتا ہے پیٹ
بھوک لگنے پر طلب رزق و غذا کرتا ہے پیٹ

خلد کی آسائشیں دنیا کے اندر دے مجھے
مالک ِ کون و مکاں اے رازق و داتا مرے

بے گھری

شہر میں بندوں کے ہیں گھر انگنت ہر موڑ پر
ایک ہے اللہ لیکن کتنے ہیں اس کے بھی گھر
ہم غریبوں کا مگر دنیا میں کوئی گھر نہ در
اِن خیالوں میں وہ لڑکی کھوئی کھوئی ہوگئی
سر پہ چھت کی آرزو سینے میں کانٹے بو گئی

ہوگئے جب رفتہ رفتہ سارے غبّارے تمام
آگئے جب جیب میں باقی بچی گڑیوں کے دام
پی چکی جب شام بھی تاریکیوں کے چند جام
رات جب گہرائے سنّاٹے کے اندر کھو گئی
عائشہ فٹ پاتھ پر چادر بچھاکر سو گئی !!

میں سوچتا ہوں

کس لئے سر پہ مرے ناچ رہی ہے عُسرت
زیست کے سر پہ یہ افلاس کا سایہ کیوں ہے؟
سوچتا رہتا ہوں اکثر میں بوقتِ فرصت
مہرباں مجھ پہ وبالِ غمِ دنیا کیوں ہے ؟

سوچ اِس پیچ بدل دیتی ہے جب سمتِ سفر
تو خیالات کی تصویر بدل جاتی ہے
فکر کے سمت بدلنے سے بدل کر حالات
زندگی یاس کے نر غے سے نکل آتی ہے

مُنکشف دل پہ حقائق کی ضیا ہوتی ہے
بات ایسے میں طبیعت پہ یہ وا ہوتی ہے

پردہ ءِ شب سے برآمد جو سحر کرتا ہے
دامنِ شاخ میں جو برگ و ثمر بھرتا ہے
وہ خدا کیا مجھے دولت نہیں دے سکتا تھا
وہ خدا مجھ سے فلاکت نہیں لے سکتا تھا

اُس نے اس واسطے افلاس ہی بخشا ہے مجھے
اس نے اس واسطے اِس حال میں رکھّا مجھے

چوٹ غربت کی میں احساس کے سینے پہ سہوں
دردِ محرومی ہے کیا چیز یہ محسوس کروں
میں زبوں حالی ءِ انسان کا احوال کہوں
اور افلاس کے ماروں کی میں آواز بنوں

ایک کتبہ

میں وہ ماہی گیر تھا جو جال پھیلاتا ہوا
غم کے پانی کے تھپیڑے روح پر کھاتا ہوا

گیت اونچے حوصلے سے پُر سدا گاتا ہوا
بحرِ ہستی پر پھرا دن رات منڈلاتا ہوا

اور پانی سے سمندر کے میں یہ کہتا رہا
نام جس مچھلی کا لوگوں نے سکونِ دل رکھا

ہے تجھے اس کی خبر کچھ ہے تجھے اس کا پتا
آہ پانی نے مگر سن کر نہ دی میری صدا

جب چلی ہر سمت سے بے درد طوفانی ہوا
اس غضبناکی کے عالم میں سمندر چیخ اُٹھا

جال جب پانی سے ٹکرا کر مرا پھٹنے لگا
اوڑھ کر میں خاک کی چادر زمیں پر سوگیا

یہ کسی کی قبر کے پتھر پہ تھا لکھّا ہوا
پڑھ کے اس تحریر کو میں سوچتا ہی رہ گیا

کہ سکونِ دل کبھی دنیا کے اندر تھا بھی یا
آدمی ناپید شے کو ڈھونڈتا پھرتا رہا

امّی

نہ ڈولو بن کے بدلی خالی خالی سی فضاؤں میں
کہ میں رہتا نہیں ہوں کچھ دنوں سے اپنے گاؤں میں
بتاؤں کیا تمھیں امّی یہاں ہوں یا وہاں ہوں میں
تلاشِ رزق میں اب اک بھٹکتا کارواں ہوں میں
لحد میں چین سے سو جاؤ مت سوچو کہاں ہوں میں

تمہاری یاد اس دل میں بسی ہے آج بھی امّی
عقیدت کی اگن دل میں وہی ہے آج بھی امّی

تصور میں تمہاری قبر پر ہی نوحہ خواں ہوں میں
لحد میں چین سے سو جاؤ مت سوچو کہاں ہوں میں

ہوا سی کس لئے تم شائیں شائیں کرتی پھرتی ہو؟
وہاں کس کے لئے تم اُوس بن کر گل پہ گرتی ہو؟

شوالک کے پہاڑوں کی ترائی میں کہاں ہوں میں
تلاشِ رزق میں اب اک بھٹکتا کارواں ہوں میں

ہوا کی شکل میں آؤ کبھی دریا کنارے پر
پڑھو رک کر مجھے گوداوری کے جل کے دھارے پر

کفِ امواج پر لکھّی ہوئی اک داستاں ہوں میں
لحد میں چین سے سو جاؤ مت سوچو کہاں ہوں میں

تلاشِ رزق میں اب اک بھٹکتا کارواں ہوں میں
لحد میں چین سے سو جاؤ مت سوچو کہاں ہوں میں

پھر آؤں گا

آس کا سورج چھپا ،سورج مکھی مرجھا گیا
اُس حسیں منظر پہ اب گہرا اندھیرا چھا گیا

میرے ارمانوں کی بستی رہ گئی پیچھے بہت
زندگی یہ تو بتادے میں کہاں تک آ گیا؟

اور کتنا ہے سفر باقی مجھے سمجھا ذرا
اور کتنے خار چبھنے ہیں مجھے گنوا ذرا

اور کتنے موڑ مجھ کو راہ کے دکھلائے گی
اورغم کی دھوپ میں کتنا مجھے جھلسائے گی

جانتا ہوں راہ میں ہوں منزلوں سے دور ہوں
چھوڑ دے لیکن مجھے ، میں زخمِ غم سے چور ہوں

غم کی گٹھری پھینک کر میں چین سے ہو جاؤں گا
راہ کے سونے کنارے پر کہیں سو جاؤں گا

صبحِ نو کی آہٹوں سے جب کبھی جاگوں گا میں
شہرِ ہستی میں مُغنّی بن کے پھر آؤں گا میں

عظمتِ انساں کے لے کر میں ترانے ، آؤں گا
آدمی کی جیت کے میں گیت کھل کر گاؤں گا

آدمی انسان بن جائے گا جب اِس شہر میں
چین سے جینے کا جب ماحول ہوگا دہر میں

ایک گیت

گنگنا گنگنا دل مرے گنگنا
عظمتِ ہند کا کوئی نغمہ سُنا

آج جمنا ندی کے کنارے پہ جا
درد رادھا سے لے بول کا نھا سے لا
من کی مرلی بجا دِل کی بنسی سُنا

من کی مستی سے گیتوں کے مُکھڑے بنا
گیت میٹھے سُروں میں لبوں پر سجا
بات پچھوا کی کر گیت پُروا کے گا

سب کو کثرت میں وحدت کا منتر جپا
مشعلِ دین ہاتھوں میں لے کر دکھا
قوم کو زندہ اقوام کا راستہ

میل بغض اور نفرت کا دل سے چھڑا
فرق نسل اور علاقائیت کا مٹا
من کو دھو جائے جو ، ایسی گنگا بہا

گنگنا گنگنا دل مرے گنگنا
عظمتِ ہند کا کوئی نغمہ سنا

ایک دعا

چلا تھا جانبِ منزل قدم بڑھاتا ہوا
قدم قدم پہ حوادث کی مار کھاتا ہوا

میسر اس کو سہولت کی آج ہر شے ہے
بسے ہوئے ہیں نگر مثلِ خلد مَن موہک

لگن کے بل پہ یہ انسان نے کیا ہے طے
سفر حیات کا غاروں سے آج ایٹم تک

ہوا پہ اُڑ تا ہے کہنے کو خلقِ بے پر ہے
سمندروں سے گزر تا ہوا شناور ہے

ہے اس کے زیرِ نگیں جگ جہان کی ہر شے
بشر ترقی ء دنیا کے اِ س مقام پہ ہے

بجھے کبھی نہ تمدن کا یہ دیا اللہ
ہمیشہ یوں ہی یہ قائم رہے ضیا اللہ

میں بھی گیا تھا

تاج کو دیکھ کے دل میں یہ خیال آتا تھا
جذبہ ء شوق کی منھ بولتی تصویر ہے یہ
عشق نے دیکھے تھے جو دورِ جنوں میں سپنے
اُن ہی سپنوں کی دلآویز سی تعبیر ہے یہ

ان کی قبروں پہ گیا میں تو یہ محسوس ہوا
وقت کے ہاتھ سے انعامِ قضا لیتے ہیں
موت کی نیند کا مدفن میں مزا لیتے ہیں
اب یہ جنت میں ہیں جنت کی ہوا لیتے ہیں

سن کے یہ بات کہ دنیا میں نہیں اس کا بدل
دیکھنے میں بھی گیا تھا وہ حسیں تاج محل

☆

ایک آواز

وہ دل میں جب مرے ، نیکی کا بیج بوتا ہے
ضمیر جاگنے لگتا ہے ، پھر یہ ہوتا ہے
نظر سے چھپ کے مری ، مجھ میں ڈولتا ہے وہ
مرے وجود میں یہ نور گھولتا ہے وہ

صدا یہ آتی ہے دل سے ترا خدا ہوں میں
ترے وجود کے اندر سے بولتا ہوں میں
سنبھالنے کے لئے کاروبارِ الفت کو
نکال دل سے ترے جذبہ ءِ عداوت کو

برائیوں کو مٹانے کا کام کر بندے
چلن بھلائی کا دنیا میں عام کر بندے

صدائے دِل

گونجتی رہتی ہے اکثر دل کے اندر یہ صدا
اَڑچنیں تو اور بھی ہیں زندگی کی راہ میں
اک اگر دیوارِ برلن گرگئی تو کیا ہوا
اور دیواریں بہت ہیں آدمی کی راہ میں

دیکھ کر نفرت کے پھلتے پھولتے بیوپار کو
مضطرب ہوتا ہے دل جب دیکھ کر سنسار کو

مانگتا ہے آدمی سے ان سوالوں کا جواب
کیا کبھی آئے گا مستقبل میں کوئی انقلاب
کیا کبھی آئیں گے اک مرکز پہ بچھڑے قافلے
کیا کبھی مٹ پائیں گے جو درمیاں ہیں فاصلے

یلغار

لوگ دولت پہ کیا کرتے تھے قبضہ لڑکر
دولت و زَن پہ ہوا کرتی تھیں جنگیں اکثر
رَن میں دشمن کو دکھاتے تھے وہ اپنے جوہر
لُوٹ لیتے تھے خزانوں کو سپہ کے بَل پر

چڑھ کے جب دَیر پہ محمود کا لشکر آیا
اُس برے وقت میں درپیش یہ منظر آیا

خوف شمشیر کا ماحول میں پیدا کرکے
پاس تک آگئے مندر کے وہ بھوکے زر کے
توڑ کر بُت کو بسے دَیر کو ویراں کرکے
لے گئے مال کے مندر سے وہ خچّر بھر کے

ظلم کا جور کا قصہ یہ ستم گاری کا
داغ ہے دامنِ ماضی پہ جفا کاری کا

عام ہے آج زمانے میں اہنسا کا پیام
ظلم کو جرم سمجھتے ہیں ، تشدد کو حرام
جذبہ ءِ امن کو حاصل ہے بہت خاص مقام
لوگ کہتے ہیں مہذب ہیں بہت آج عوام

یہ نہیں کہتے کہ اِس یُگ کا ہے کردار وہی
جائے معبد پہ ہے اِس وقت بھی یلغار وہی

سوچتا ہوں

یہ تماشہ کب سے ہوتا ہے نہیں یہ تو خبر
مدتوں سے یہ ہی منظر ہے مگر پیشِ نظر
سانس کے نغمے پہ دستِ زندگی کو تھام کر
رقص فرماتا ہے اک دل بے خودی کے ساز پر
وقت کی ڈھولک بجاتے ہیں یہاں دن اور رات
رامشِ ہستی سناتی ہے فضائے کائنات

سر اُٹھاتا ہے مگر اندیشہ ہر دم ہر نفس
پردہ ءِ ہستی کے پیچھے سے صدا آئے گی ، بس!
گنگ ہوجائے گا بجتے بجتے یہ سازِ نفَس
دیکھتے ہی دیکھتے منظر بدل جائے گا بس
روپ بدلے گا کسی دن یہ وجودِ کائنات
ذہن میں آتی ہے رہ رہ کر ہمیشہ یہ ہی بات

☆

اُلّو کی شادی

آتے جاتے مغربی اُلّو کے اک فرزند کو
مشرقی اُلو کی بیٹی سے محبت ہوگئی
دیکھتے ہی ہوش سے بیگانہ ہوکر رہ گیا
اور دیوانوں کے جیسی اس کی حالت ہوگئی

مغربی اُلو نے جب فرزند کا دیکھا یہ حال
اس کو اس حالت پہ بیٹے کی ہوا بے حد ملال
اپنے بیٹے کی تمنا پوری کرنے کے لئے
اس نے ڈالا خانہ آبادی کا اک دن ایسا جال

معتبر سے چار اُلّو آ کے سوکھے پیڑ پر

رات کی تاریکیوں میں اہلِ دختر سے ملے
اپنے آنے کا سبب پہلے بتادینے کے بعد
دیر تک جاری رہے یوں گفتگو کے سلسلے

اہلِ دختر نے کہا ، لڑکی مثالِ حور ہے
بوم زادی ہے ، نحوست کے لئے مشہور ہے
مہر کی بابت اگر سو گاؤں دو ، اُجڑے ہوئے
عقد ہوجائے گا، بولو، شرط یہ منظور ہے

نوشہ والوں نے کہا یہ شرط چھوٹی ہے بہت
اہلِ مغرب کے لئے سو گاؤں کی کیا اہمیت
جب کہیں پر بم ہمارے حکمراں برسائیں گے
اور خونریزی برائے شوق جب فرمائیں گے

آپ کی جو مانگ ہے اُس سے سِوا دے دیں گے ہم
آپ کی بیٹی کو ویرانہ بڑا دے دیں گے ہم

☆

کہانی

دوستو ! یہ شیر ، بکری کی کہانی ایسے ہے
وقت کی کشتی پہ یہ دونوں سفر کرتے ہیں طے

وقت کی کشتی چلی آتی ہے جب تھوڑی سی دور
شیر کی نیت میں آجاتا ہے کچھ فرق و فتور

اس لئے بکری پہ یہ تہمت لگا دیتا ہے وہ
اُس پہ حملے کا بہانہ یہ بنالیتا ہے وہ

باغیانہ طرز کے یہ گیت گاتی ہے بہت
میری صورت دیکھ کر یہ غل مچاتی ہے بہت

بھوک اب اپنی ، اسے کھا کر مٹا نا چاہیئے
جرم کا اس کے ، مزہ اس کو چکھانا چاہیئے

اِن برے حالات میں کہتی ہے بکری کانپ کر
رحم کر اے شیر راجہ ! رحم کر کمزور پر

شیر لے لیتا ہے جاں بکری کی دورانِ سفر
ہوکے رہ جاتی ہیں ساری التجائیں بے اثر

عہدِ طفلی میں سناکر یہ کہانی رات کو
ماں کہا کرتی تھی ، بیٹا یاد رکھ اس بات کو

شان سے جینے کا حق دنیا میں ہے شہزور کو
زندگی ذلت کی ملتی ہے یہاں کمزور کو

نعت و مناقب

O

جاؤں تو میں کیسے جاؤں چل کر ان کے دوار
سوؔز مدینے میں لگتا ہے ان کا تو دربار
نام محمدؐ ہے جن کا وہ نبیوں کے سردار
دو جگ میں قائم ہے جن کی روحانی سرکار

کاش وہ سپنوں کی نگری میں آجائیں اک بار
صبح تلک بھی آنکھ نہ کھولوں اور کروں دیدار
کاش میں کوئی پنچھی ہوتا چھوٹا سا پردار
بطحا جاکر آبھی جاتا اب تک کتنی بار

جا کر ان کے روضے پر یوں وَا کرتا منقار
بعد سلا مِ رحمت کہتا ، اے میرے سرکارؐ
جان و مال کی لوٹ مچی ہے جینا ہے دشوار
جاگا ہے بو جہل کا لشکر ظلم کی ہے بھر مار

ہم پر داروں کی ٹولی کا کوئی نہیں سردار
پیٹ بھی دانے سے خالی ہے روح بھی ہے بیمار
عہدِ رواں کا دیکھ تو لو یہ منظر بھی اک بار
ملکِ خدا پر قابض ہیں اب جھوٹے اورمکّار

O

کہیں گے حالِ دل یوں بھی کبھی طیبہ کے والی سے
لپٹ کر بے تحاشہ روئیں گے روضے کی جالی سے

لٹا بیٹھی ہے دنیا دولتِ ایمان و دیں آقاؐ
نظر آتے ہی سب دامن یہاں تو خالی خالی سے

تکلف بر طرف محشر میں جس دن سامنا ہوگا
وہ دامن چھُٹ نہ پائے گا مرے دستِ سوالی سے

خزاں کے دور میں کس کس پہ کیا گزری بتا دینا
چھپانا مت صبا احوال گل گلشن کے مالی سے

یہ دنیا پھر بھٹکتی ہے تمدن کے اندھیروں میں
کرن اُمید کی پھوٹے کوئی روضے کی جالی سے

O

لحد کی گود سے تاحشر اُس کے کام آیا
زباں پہ جس کی رسولِ خدا کا نام آیا

ہے فخر شاہوں کو جس ذات کی غلامی پر
وہ تاجدارِ مدینہ ہمارے کام آیا

چلیں گے ہم بھی مدینے کو سر کے بل اک دن
ہمارے نام گر اُن ؐ کا کوئی پیام آیا

اُنھی پہ عرشِ بریں سے بیاضِ حق اُتری
حِرا میں اُن پہ ہی جبریل ؑ کا سلام آیا

اُنھی نے درسِ اخوت دیا تھا دنیا کو
اُنھی کے دم سے مساوات کا پیام آیا

لپٹ لپٹ گئی مخلوق اس کے قدموں سے
پلٹ کے جب ترے در سے کوئی غلام آیا

O

جس کو رسول پاکؐ کی الفت کے غم ملے
اُس کی تلاش میں ہمیں دیر و حرم ملے

سب کو ہے تم سے عشق سبھی تم پہ ہیں نثار
لیکن ہمیں بلالؓ سے دیوانے کم ملے

دے کر ہر ایک دل کی خوشی کو خرید لوں
مجھ کو کہیں جو رحمتِ عالم کا غم ملے

بس آرزو یہی ہے کہ نظروں سے چوم لیں
آقاؐ جہاں جہاں ترا نقشِ قدم ملے

نامِ نبیؐ لیا ہوئیں آسانیاں نصیب
راہِ حیات میں جہاں کچھ پیچ و خم ملے

O

داستانِ غمِ مظلوم سنادی جائے
شمع ایمان کی محفل میں جلا دی جائے

کوئی اب دوسرا ملتاہی نہیں ہے ایسا
جس کو اصغر کے تبسم کی ادا دی جائے

بعدِ شبیر بنیں قافلہ سالار وہی
عمر بھر حضرتِ زینب کو دعا دی جائے

آپ سا کوئی وفا دار نہیں ہے عباس
کس کو اب آپ کی تمثیلِ وفا دی جائے

پھر شریعت کی طرف دیکھ رہے ہیں اَعدا
پھر حسینؓ ابنِ علی ہی کو صدا دی جائے

اصل میں ہے غمِ شبیرؓ ہی ایمان کی جان
جس قدر ہو سکے اس غم کو ہوا دی جائے

سوؔز ہیں رونقِ ایمان حسینؓ ابن علی
بات یہ سارے زمانے کو بتادی جائے

☆

O

ماننِد آسمان زمیں پر حسینؓ ہیں
سُنتا ہوں سب سے افضل و بہتر حسینؓ ہیں

سینچا جنھوں نے گلشنِ اسلام خون سے
وہ شیرِ فاطمہ وہ دلاآور حسینؓ ہیں

رکھ دے جو کر کے سینہ ءِ باطل کو دم میں چاک
وہ تیغ آبدار وہ خنجر حسینؓ ہیں

واپس گئے نہ حُر جسے اک بار دیکھ کر
ایماں کی روشنی کا وہ منظر حسینؓ ہیں

لگتا تھا ان کی جرءَت و ہمت کو دیکھ کر
میدانِ کربلا میں بہتّر۷۲ حسینؓ ہیں

اوصاف ان کے دیکھ کے کہتے ہیں لوگ سوؔز
اسرار کائنات کا دفتر حسینؓ ہیں

شاعری لفظوں کی بازی گری کا نام نہیں ، بلکہ تیرگی میں روشنی پھیلانے کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ روشنی صداقت کا تلازمہ ہے اور صداقت کا قبلہء مقصود واقعیت ہوتی ہے۔سوزؔ نجیب آبادی کی شاعری روشنی کی شاعری ہے۔انھوں نے بالکل بجا کہا کہ جب تک آفتابِ عالم تاب کی کرنیں صفحہ ءِ گیتی کو منور نہیں کرتیں ظلمتِ شب کے عفاریت انسانوں کو ڈراتے ہی رہتے ہیں۔

دن نہیں نکلا، اجالا نہیں پھیلا جب تک
ظلمتِ شب دلِ انساں کو ڈراتی ہی رہی

اضراب کے مطاوی کلام میں عناصرِ واقعیت وصداقت کی نقش آرائیوں کی لطیف موجیں لہراتی نظر آتی ہیں۔اس کے اشعار کہیں احساس کے تاروں کو چھیڑ دیتے ہیں تو کہیں قلب سوزاں کے لئے مروحہ جنبانی کرتے نظر آتے ہیں۔سوزؔ ادب کے نکتہ شناس ہیں۔انہیں ادائے مطلب پر اتنی قدرت ہے کہ بیان میں کہیں ژولیدگی کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔اسلوبِ نگارش کی چاشنی کے ساتھ ساتھ اضراب کا ہر شعر، تجربات آگہی، بصیرت، حقیقت، حسیت، واقعیت اور حرکت کی روشنی کا اظہاریہ ہے۔

مولانا جلال الدین قاسمی
مالیگاؤں۔مہاراشٹرا

ان کے اشعار میں ان کی زندگی کا کرب، اپنے عہد کے فرد کا کرب اور اپنے پورے عصر کا کرب یوں سما گیا ہے کہ ان کی شاعری عصر کی حسّیت کی ترجمان بن گئی ہے۔

ڈاکٹر محسن جلگانوی

ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی (عثمانیہ)

AZRAAB

POETRY OF SOZ NAJIBABADI
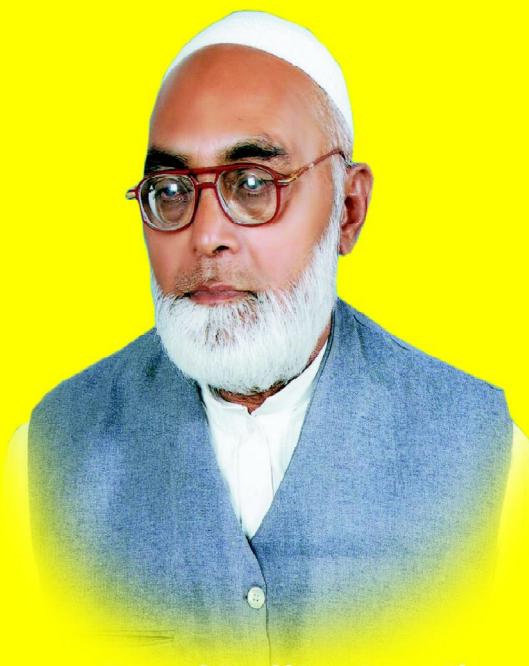
Soz Najibabadi

Cell No. 93902 97893

Published by :

TAMHEED PUBLICATIONS

9-14-124, Ahmedpura Colony, NIZAMABAD-503 001.

Designed by: genius graphics-nzb-9966939332